مسلمان
ایک امت
ایک جماعت

قطب العالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ

شائع کردہ

دارالاشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مسلمان ایک امت ایک جماعت
نام مصنف	:	قطب العالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ
صفحات	:	۵۴
سن طباعت جدید	:	۲۰۱۰ء
تعداد	:	دو ہزار
ناشر	:	دارالاشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
قیمت	:	۲۰/روپے
کمپوزنگ	:	مسرور عالم قاسمی
باہتمام	:	مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم امارت شرعیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ-۸۰۱۵۰۵

فہرست مضامین

۱	پیش لفظ
۲	ابتدائیہ
۳	اظہار حسرت
۴	علماء کا منصب اوران کی ذمہ داریاں
۵	اپنے گھر میں دیکھئے
۶	اہل اسلام کا اولین فرض
۷	اجتماع اور ائتلاف
۸	اسلام اوراس کا جماعتی نظام
۹	امارت، ملت کی شیرازہ بندی کی صحیح اسلامی صورت
۱۰	تصریحات فقہاء کرام
۱۱	پہلی تصریح
۱۲	دوسری تصریح
۱۳	تیسری اور چوتھی تصریح
۱۴	پانچویں تصریح
۱۵	علمائے ہند کے فتاوے
۱۶	فتویٰ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷	فتویٰ مولانا شیخ یوسف بن قادر احمد مرحوم معہ تصدیق مولانا عبدالحئی صاحبؒ
۱۸	قیام امارت کی اہمیت وضرورت
۱۹	منصب امیر اوراس کے فرائض
۲۰	امت کا فریضہ
۲۱	امیر شریعت کی طاقت
۲۲	ملی اتحاد اور سمع وطاعت، مسلمانوں کی اصل قوت
۲۳	قیام امارت سے وجود جماعت اور امت مسلمہ کے لیے طریق نجات
۲۴	آخری عہد رسالت میں امارت شرعیہ کی نظیر

پیش لفظ

شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں بہارواڑیسہ کے مسلمانوں نے ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تحریک پر احکام اسلامی کے مطابق اپنا جماعتی نظام قائم کیا، اس جماعتی نظام کا نام ''امارت شرعیہ'' رکھا۔ چوں کہ اسلام کے اجتماعی نظام میں مرکزی حیثیت امیر کو حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں پر اپنے لیے امیر مقرر کرنا فرض ہے، نیز اس کے احکام پر عمل کرنا ضروری۔ اس لیے بہارواڑیسہ کے علماء اوراعیان ملت نے باتفاق رائے بدرالکاملین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین پھلواروی کو اپنا پہلا امیر منتخب کیا۔ امیر شریعت اول کا وصال مورخہ ۱۶؍صفر ۱۳۴۳ھ کو ہوگیا۔ دوسرے امیر کے انتخاب کے لیے ایک خصوصی اجلاس پھلواری شریف میں مورخہ ۸؍۹؍ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کا دوسرے امیر شریعت کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا۔ اس جلسہ کی صدارت کے لیے قطب العالم حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ پر اتفاق رائے ہوا تھا۔ حضرت مونگیریؒ اپنی علالت کے باعث جلسہ میں شریک نہیں ہوسکے، ان کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہ صاحب رحمانی نے بحیثیت قائم مقام صدر حضرت مونگیریؒ کا اہم اور تاریخی خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں اسلام کے ایک اہم مسئلہ کو جسے عام طور پر لوگوں نے فراموش کردیا تھا پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علماء کی کیا ذمہ داریاں ہیں، مسلمانوں کے باہمی اختلافات سے انہیں کیا نقصان پہنچ رہا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے جماعتی زندگی کی کیا اہمیت ہے، مسلمان ایک جماعت کس طرح بن سکتے ہیں، مسئلۂ امارت کا ماٰخذ کیا ہے، امیر کے تقرر کے بعد مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عاید ہوتی ہے، امیر اپنے احکام مسلمانوں پر نافذ کرنے میں مادی قوت کا محتاج ہے یا امت مسلمہ کی سمع وطاعت کا۔ یہ وہ اہم مسائل ہیں جن پر اس خطبہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس خطبہ کی افادیت کے پیش نظر کئی بار کتابی شکل میں شائع کیا جاچکا ہے۔ ایڈیشن ختم ہوجانے کے بعد نئے سرے سے پھر شائع کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ اس سے اسلام کے اجتماعی نظام اور ملت کی شیرازہ بندی کے بارے میں ایک روشنی ملے گی۔

نظام الدین

امیر شریعت امارت شرعیہ

۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴؍جنوری ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ:

الحمدللہ الذی جعل العلماء ورثة الأنبیاء فھم ھداة الدین وحماة الاسلام والمسلمین والصلوٰة والسلام علی سیدالمرسلین خاتم النبیین وعلی اٰله النجماء وأصحابه الکملاء إلی یوم الدین. ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وأنت خیرالفاتحین، واٰخردعوانا ان الحمدلله رب العالمین.

اما بعد: علماء کرام اور اعیان ملت ودیگر اہل اسلام: قبل اس کے کہ میں اپنے خیالات آپ حضرات کے سامنے پیش کروں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے متعلق ایک صحیح عذر کروں کہ آپ حضرات نے اس ضعیفی کے وقت میں ایک ایسے اہم امر کی تکلیف دی ہے جس کا میں کسی طرح متحمل نہیں ہوسکتا۔ اور اس لیے میں کماحقہ آپ کی قیادت کاملہ سے بالکل معذور ہوں۔ مگر آپ حضرات کی عقیدت مندی وخوش عقیدگی اور نفس معاملہ کی اہمیت نے مجبور کیا کہ میں آپ حضرات کی خواہش کو حتی الامکان پورا کروں، میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ اس نازک وقت میں مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے کہ میں آپ کے سامنے مسلمانوں اور اہل اسلام کی بھلائی کی باتیں پیش کروں۔

اظہار حسرت

لیکن اصل مقصد سے پہلے نہایت قلق واندوہ کے ساتھ مجھے یہ کہنا ہے کہ اس اجتماع اور معاملہ کی اہمیت ایک ایسے حادثہ فاجعہ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے کہ قیامت تک اس کی مکافات مشکل ہے۔ یعنی مولانا سید شاہ محمد بدرالدین صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ایک ایسا واقعہ ہے جس کے اثر سے ہر مسلم قلب اندوہ گیں ہے۔ ان کی ذات بہت سے صفاتِ حمیدہ کی جامع تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی ذات نظام اہل اسلام صوبہ بہار کی مرکز تھی۔ اور عرصۂ مدید سے جو خواب ہندوستان میں دیکھا جاتا تھا ان کے وقت میں اس کی تعبیر کا ظہور ہوا۔ اور جس نظام کی تمنا ہمارے دلوں میں ہمیشہ سے تھی آخر اس کا وجود ہوا۔

اور یہ نظام ان کی ذات سے وابستہ تھا، لیکن افسوس کہ اس نظام کا انتظام ابھی ابتدائی مراحل طے کررہا تھا، کہ جناب شاہ صاحب موصوف امیر شریعت کو اللہ پاک نے اپنے جوارِ رحمت میں طلب فرمایا، نوراللہ مرقدہ۔ ان تمام کاموں کے لحاظ سے ونیز ان کے ساتھ جو دلی ارتباط ومحبت مجھ کو تھی ہمارے قلب کو نہایت صدمہ پہنچا۔ اور اس لحاظ سے میں اندازہ کرتا ہوں کہ مسلمانان بہار بالخصوص ان کے عزیز واقارب کو کس قدر صدمۂ عظیم اور غم واندوہ ہوگا۔

لیکن بجز صبر اور راضی برضائے مولیٰ رہنے کے اور کیا چارہ ہے۔ ہم اہل اسلام اسی کے مکلّف ہیں۔ انبیاء کرام، اولیاء اللہ، علماء سابقین کے واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہمارے دلوں کو تسکین ہوتی ہے۔ اللہ پاک تمام اہل اسلام اور بالخصوص ان کے تمام وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور ان تمام کاموں کی توفیق عطاء فرمائے جس میں اللہ پاک کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کے دین متین کی بہترین خدمت ہو۔ آمین یارب العالمین۔

علماء کا منصب اور ان کی ذمہ داریاں

علماء کرام! اگرچہ آپ حضرات کو اپنے فرائض کا علم حاصل ہے، مگر عرصۂ دراز سے علماء کرام کی جن حالتوں کا میں مطالعہ کرتا رہا ہوں اور ان کے جن کاموں کو میں دیکھتا رہا ہوں ان سے مجھے بیحد تکلیف ہوتی رہی ہے اور ہمیشہ اپنے ملنے والوں سے ان کی ان حالتوں پر افسوس کرتا رہا ہوں اور اس جہت سے آج یہ بہترین موقع تھا کہ میں خوب اچھی طرح نہایت وضاحت کے ساتھ علماء کے احوال اور فرائض کو بیان کرتا اور علماء کرام کی غفلت وسستی اور باہمی مخالفت ونزاع سے اسلام کو جو نقصانات پہنچے ہیں اور آئندہ پہنچنے کا اندیشہ ہے ان سب کو ایک ایک کرکے گناتا اور ان وجوہ سے ہمارے قلب وجگر میں جتنے نشتر لگے ہیں اور دل کے ٹکڑے ہوگئے ہیں ان سب کو آپ کے سامنے رکھ دیتا، تاکہ آپ حضرات کو اپنی غفلت شعار زندگی کے آثار کو دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی، مگر افسوس کیا عرض کروں کہ ؎

کردیا ناتواں ضعیفی نے　　　ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اب میری ایسی حالت ہوگئی ہے کہ مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا نہ زیادہ لکھ سکتا ہوں اور نہ

زیادہ بول سکتا ہوں۔ گویا بالکل معذور ہوں، ایسی حالت میں مجھ سے کسی بسیط اور مفصل خطبہ کی توقع اور کسی طویل لائحہ عمل کی امید رکھنا کسی طرح زیبا نہیں ہے۔ لہٰذا نہایت اختصار کے ساتھ ہر امر کے متعلق کچھ کچھ تھوڑا اشارہ کروں گا، جو آپ حضرات کے پتہ کے لیے بہت کافی ہوگا۔

علماء کرام! آپ حضرات تو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ اور تمام سنن اور آثار سے واقف ہیں جن میں اگر آپ کے فضائل ومحامد مذکور ہیں تو ان کے ساتھ آپ کے فرائض علمی اور عملی بھی مذکور ہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ غور وفکر سے کام لیں اور غفلت کو دور کریں۔ اگر آپ ورثۃ الانبیاء ہیں تو صرف علمی اور فنی جہت سے آپ وارث کہلانے کے مستحق ہیں۔ نفس نبوت میں تو آپ کی وراثت نہیں ہے بس آپ کا فرض ہے کہ انبیاء کرام کے احوال وواقعات یعنی اعلانِ حق، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جان توڑ سعی وکوشش نیز ارشاد عام کے ساتھ خدمت خلق اور ظلم وجور سے مخلوق الٰہی کو نجات دلانا۔ اپنی قوم کو ایک نظم کے ساتھ رکھنا، ملحدین وزنادقہ کے شبہات کا ازالہ کرنا۔ الغرض اس قسم کے تمام امور جو مفصل کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور یہ سب چیزیں سب کی سب آپ کے فرائض میں داخل ہیں۔ بغور مطالعہ کریں اور اپنے ذمہ دارانہ فرائض کو محسوس کریں۔

اس موقعہ پر میں چند احادیث وآثار آپ حضرات کے سامنے اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں تا کہ آپ کو اپنی قدر ومنزلت کے ساتھ اپنے فرائض کا احساس ہو۔

(۱) العلماء مصابيح الأرض وخلفاء الأنبياء وورثتي و ورثة الأنبياء (عدعن علیؓ)

(۲) العالم أمين في الأرض (ابن عبدالبر في العلم عن معاذؓ)

(۳) العلماء أُمناء أمتي (فرعن عثمانؓ)

(۴) العلماء أمناء الله على خلقه (ابن عساكر عن انسؓ)

(۵) إن دين اللّٰه تعالىٰ لن ينصره إلا من حاطه من جميع جوانبه (الديلمي عن ابن عباسؓ)

(۶) عن ابن عباس قال إن هٰذا العلم يزيد الشريف شرفا ويجلس

المملوك على الأسرة (ابن عساكر)

(۷) العلماء ثلثة: رجل عاش بعلمه وعاش الناس به ورجل عاش الناس به فاهلك نفسه ورجل عاش بعلمه ولم يعش به غيره. (فرعن أنس)

(۱) علماء، زمین (یعنی دنیا) کے چراغ ہیں، انبیاء کے خلیفہ ہیں، ہمارے وارث ہیں اور تمام انبیاء کے وارث ہیں۔

(۲) عالم، زمین میں (یعنی دنیا میں) اللہ کا امین ہے۔

(۳) علماء ہماری امت کے امانتدار ہیں۔

(۴) علماء اللہ کی مخلوقات پر اس کے امین ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے دین کی وہی شخص مدد کرسکتا ہے جس نے دین کا ہر طرف سے احاطہ کرلیا ہو، یعنی عالم جو دین کا پورا پورا علم رکھتا ہو۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم دین شریف آدمی کی عزت کو بڑھا دیتا ہے اور مملوک کو سریر حکومت پر بٹھاتا ہے۔

(۷) علماء تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ ہیں جو اپنے علم کے ساتھ اپنی زندگی بہتر گزارتے ہیں اور ان کی وجہ سے تمام دوسرے لوگوں کی زندگی بہتر گزرتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں کہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی زندگی بہتر گزرتی ہے لیکن وہ خود ہلاک ہوجاتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ کہ ان کی زندگی علم کی وجہ سے بہتر گزرتی ہے لیکن دوسروں کی زندگی ان کی وجہ سے بہتر نہیں گذرتی ہے۔

الحاصل آثار تو ہزاروں ہیں، لیکن میں نے جو آثار نقل کئے ہیں ان میں آپ حضرات غور فرمائیں کہ آپ کے فرائض کتنے وسیع اور کس قدر اہم ہیں۔ صرف گاہے ماہے مسجدوں یا عام جلسوں میں وعظ کہہ دینے یا مدرسوں میں چند طلبہ کو درس دے دینے یا نکاح وطلاق کے مسائل بتادینے سے آپ کے فرائض ادا نہیں ہوسکتے۔ آپ امت محمدیہ کے امین بلکہ مخلوقات الٰہیہ کے امانتدار ہیں۔ اگر یہ مخلوق بے دین ہوئی یا ذلیل ورسوا ہوکر غیروں کی غلامی میں رہ کر ہلاک وبرباد ہوئی تو یقین مانیے کہ آپ نے فرائض امانت کو ادا نہیں کیا۔ نیز اس جہت سے کہ آپ انبیاء کے خلیفہ ہیں، آپ ہی دنیا کے چراغ ہیں، اگر مخلوق الٰہی ضلالت وجہالت اور رسوم

جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا کھا کر ہلاک ہوئی تو یقین کیجئے کہ آپ اس کے عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔ دین کی نصرت تامہ آپ کے ذمہ قرار دی گئی ہے۔ اور علم کی بدولت اپنی اور مخلوق الٰہی کی زندگی کو خوش گوار بنانے کا فریضہ آپ کے سر عائد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کے آثار کو صدر میں نقل کیا گیا ہے۔ اب آپ حضرات غور فرمائیں کہ کیا موجودہ وقت کے علماء ان فرائض کے ادا کرنے میں منہمک ہیں یا اس کے لیے سعی تام کر رہے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں۔ اسلام پر اندر اور باہر سے حملے ہو رہے ہیں، تمام فرق باطلہ، اسلام اور اہل اسلام کو تباہ و برباد کرنے میں شب و روز مشغول ہیں۔ ایک طرف عیسائی مشینریاں ہیں جو لاکھوں روپیہ عیسائیت کی اشاعت اور اسلام کی بربادی میں پانی کی طرح بہا رہی ہیں تو دوسری طرف خود ہندستان کی دو منظّم جماعتیں قادیانی اور آریہ سماجیوں کی ہیں جو ہر ممکن طریقہ سے بیدریغ جان و مال سے اسلام کی سچی تعلیمات کو مٹانے کے درپے ہیں اور شب و روز قادیانیت اور آریت کی اشاعت میں منہمک ہیں اور ابطال حق اور فساد فی الارض کے لیے ہر قسم کی قربانی جانی و مالی کر رہے ہیں۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت والجماعت ابھی تک آپس میں معمولی فروعی مسائل کے ردوقدح میں منہمک ہیں اور فروع کو اصول کا مرتبہ قرار دے کر آپس میں جنگ و جدال کر رہے ہیں۔ جس سے بجائے اصلاح کے اور فساد پیدا ہوتا ہے اور تمام قوت جو اسلام کی حفاظت اور قوم کی فلاح میں صرف ہوتی بیکار ضائع ہو رہی ہے۔

علمائے کرام! آپ کا تو فرض تھا کہ آپ غور کرتے کہ ہندستان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے دین قویم اور قوم کی حفاظت کے لیے اصول اسلام اور قوانین اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے کن کن امور کی ضرورت ہے اور کیا کیا وہ تدابیر ہیں جو مسلمانوں کے بقائے دین اور باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے اختیار کرنی چاہئے۔

اپنے گھر میں دیکھئے:

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کو اپنی بقا اور دین کی حفاظت اور ترقی کے لیے خود اپنے گھر کی

چیزوں کو دیکھنا چاہئے۔ یعنی کتاب اللہ اور احادیث و آثار، اقوال فقہاء کے اندر اپنی اصلاح کی تدبیروں کو تلاش کرنا چاہئے۔

اگر اہل اسلام بالخصوص علمائے کرام اپنی اصلاح کے لیے غیروں کی طرف دیکھیں اور دوسروں کے دروازوں کی دریوزہ گری کریں تو یہ نہایت بدقسمتی ہوگی اور اسلام پر یہ بھی ایک ظلم ہوگا کیوں کہ ان کا مذہب ان کا دین جامع ہے دین و دنیا، عبادت و معاملات، قوام و نظام، الغرض ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کو شریعت اسلامیہ نے نہ بتایا ہو۔

پھر بتائیے کہ وہ اصول جو اللہ اور اس کے رسول نے بتایا ہو یا صحابۂ کرام اور فقہائے عظام نے قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے بیان کیا ہو بہتر ہوگا۔ یا وہ اصول جو انسانوں کے دماغوں نے بغیر ہدایت کتاب و سنت اختراع کیا ہو۔ حاشا وکلا! کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لیے یہ کہنے کے لیے تیار نہ ہوگا کہ کتاب اللہ اور سنت سے جو اصول و قوانین ماخوذ ہیں ان کے مقابلہ میں انسانوں کے اختراعی اصول کچھ بھی وقعت رکھتے ہیں۔

اہل اسلام کا اولین فرض:

پس جب یہ امر مسلّم ہے تو تمام اہل اسلام بالخصوص علمائے کرام کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر قوانین اسلام کو جاری اور حاوی کر لیں اور اپنی زندگی کے کسی شعبہ کو اصول اسلام اور قوانین اسلام کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہ ہونے دیں۔ اگر اس راہ میں ابتداءً ان کے سروں پر جس قدر بھی مصیبتیں آئیں مگر اس کا انجام بہتر ہوگا۔ قرون اولیٰ کے واقعات اور صحابۂ کرام کی نظیریں آپ کے سامنے ہیں۔ اور انہیں واقعات میں ہمارے لئے ہر قسم کی ہدایت اور تسکین موجود ہے۔

اجتماع اور ائتلاف

مسلمانوں کی ہلاکت کا سبب:

علمائے کرام اور اعیان ملت! مسلمانانِ ہند کے اسباب ہلاکت میں جس چیز کو سب سے

زیادہ دخل ہے وہ ان کا منتشر اور پراگندہ ہونا ہے۔اور قویٰ اسلامیہ کا شریعت اسلامیہ کے مطابق کسی مرکز پر متفقہ طور سے مجتمع نہ ہونا ہے۔اگر کبھی اجتماع اور ائتلاف کا خیال پیدا ہوا بھی تو اصول کے مطابق نہیں جو شریعت اسلامیہ نے بتایا ہے۔ بلکہ انسانی دماغوں کے اختراع کا تتبع کیا گیا۔ انجمنیں بنیں اور کمیٹیاں قائم کی گئیں، جمعیتیں بنیں، مگر جماعت کا وجود نہ ہوا۔حالاں کہ ہم جماعت کے التزام کے مکلّف ہیں اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے ہم کو اس اجتماع اور ائتلاف کی ضرورت نہیں ہے جو انجمنوں اور کمیٹیوں میں ہوتا ہے بلکہ اس اجتماع اور ائتلاف کی ضرورت ہے جو جماعت سے بنایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود ہر قسم کی قربانیوں کے کوئی کام درست نہیں ہوا۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مگر اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک زمانۂ دراز کی تمنا اور آرزوؤں کے بعد اللہ پاک کی توفیق نے علمائے بہار اور اعیان بہار کی مساعدت کی اور انہوں نے ہمت وجرأت سے کام لے کر قیام جماعت اور نظام امت کے اصل اصول کو اختیار کیا۔ یعنی صوبہ بہار اور اڑیسہ کے لیے امارت شرعیہ قائم کی اور تمام صوبہ کے لیے ایک امیر شریعت ہونا لازم قرار دے کر تمام قوم کو ان کے اتباع کی دعوت دی کیوں کہ شرعی طور پر جماعت مسلم کی اصل شکل یہی ہے۔

اسلام اور اس کا جماعتی نظام

علمائے کرام اور اعیان ملت! مسئلۂ امارت اسلامی زندگی وحیات کے لیے ایک ایسا کھلا ہوا اور روشن مسئلہ ہے جس پر کسی مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے جس شخص نے اسلام کے نظام کا مطالعہ کیا ہے اور احکام اسلام اور تاریخ اسلام کو بغور پڑھا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ اسلام ایک لمحہ کے لیے بھی یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ اسلامی آبادی کا کوئی حصہ بھی جانوروں کے ریوڑ کی طرح بغیر تنظیم وترتیب اور بغیر قیادت وسیادت زندگی بسر کرے۔ اتفاق واتحاد کی تاکید اور تشتت وتفرق کی مذمت قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں جس قدر وارد ہے وہ سب بہت مشہور معروف ہیں۔ نیز یہ اتحاد جس کی تشریح قولاً فعلاً احادیث وآثار سے ثابت ہے وہ بھی مخفی نہیں ہے۔اس

لیے ضرورت نہ تھی کہ میں اس موقع پر اس مسئلہ کے متعلق شرعی حیثیت سے کوئی روشنی ڈالوں بالخصوص جب کہ علمائے بہار نے اس مسئلہ کی حقانیت اور اہمیت کا لحاظ کر کے عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔**شکر اللہ سعیھم**.

لیکن بہت ممکن ہے کہ ابھی تک بہت سے لوگوں نے اس کی صداقت وحقانیت کو اچھی طرح نہ سمجھا ہو۔اس لیے نہایت اختصار کے ساتھ میں چند اشارات کرنا چاہتا ہوں۔تاکہ سب اچھی طرح اس کو سمجھ کر نہایت خوشی اور عقیدت کے ساتھ اس سلسلہ میں منسلک ہو جائیں اور دلی شوق اور صادق جذبہ کے ساتھ اس اسلامی مرکزیت کو قوی اور مستحکم بنائیں۔

برادرانِ ملت واعیان اسلام! یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اسلام اپنے متبعین اور اپنے پیروؤں کے لیے مخصوص تمدن، مخصوص معاشرت رکھتا ہے، زندگی کے ہر شعبہ کے لیے مخصوص احکام رکھتا ہے اور تمام احکام ایک مخصوص اجتماع اور مخصوص نظام کے مقتضی ہیں۔

انہیں ضروریات پر مسئلۂ خلافت کی بنیاد ہے اور خلافت، اسلامی نظام کا نظام اکبر ہے، جس کو اپنی اصلی شکل میں اسلامی آبادی کے ہر گوشہ پر محیط ہونا چاہئے، اگر آج خلافت اپنی اصلی حالت منہاج نبوت پر ہوتی اور ہندستان بھی اس کے حیطۂ اقتدار میں ہوتا تو یقیناً یہ بھی اسی نظام کے تحت ہوتا۔ یعنی تمام ہندستان میں خلافت کی طرف سے امراء اور ولاۃ مامور ہوتے لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے نہ خلافت اپنی اصلی حالت پر ہے اور نہ ہندستان مسلمانوں کے حیطۂ اقتدار میں ہے۔

پس اب غور طلب امر یہ ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی کے لیے کیا احکام اجتماع بالکل ساقط ہیں؟ اور کیا **علیکم بالجماعۃ** کے حکم سے یہ آبادی مستثنیٰ ہے؟ اور کیا وہ تمام مسائل تمدن ومعاشرت جو مخصوص اسلامی نظام کے مقتضی ہیں سب کے سب ہندستان کے مسلمانوں سے ساقط ہیں؟ حالاں کہ روزانہ زندگی میں ان کی احتیاج ہے اور کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہر مسلمان بے سر کی فوج کی طرح پریشان رہے؟

اگر ان سب کا جواب اثبات میں ہے تو اس سے بڑھ کر اسلام پر اور کوئی بدنما داغ نہیں ہو سکتا، کہ اسلام نے اس غلامی اور مجبوری کی حالتوں میں اپنے پیروؤں کی زندگی ومعاشرت کے لیے کوئی راہ نہیں بتائی۔

امارت

ملت کی شیرازہ بندی کی صحیح اسلامی صورت

امارت کے اثبات کے لیے یوں تو بہت سے ماٰخذ ہیں اور شریعت اسلامیہ کے بہت سے اصول ہیں جن سے یہ مسئلہ ثابت ومحقق ہے۔ میں اس مقام پر چند احادیث وآثار پیش کرتا ہوں، بعدہ فقہاء کرام اور بعض گزشتہ دور کے علماء ہند کے فتاوے بھی نقل کردوں گا جن سے معلوم ہوگا کہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔

(۱) **من استطاع منكم أن لا ينام نوما ولا يصبح صبحا إلا وعليه إمام فليفعل**(ابن عساكر عن أبي سعيد وابن عمر)

تم میں سے جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ نہ (کسی رات کو) سوئے اور نہ کوئی صبح گزارے، لیکن ایسی حالت میں کہ اس پر کوئی امام (مقرر) ہو تو ایسا ہی کرے۔

(۲) **عن علی قال لا يصلح الناس إلا أمير برا وفاجر**(هب كنز العمال)

یہ روایت حضرت ابوسعید اور عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح امیر ہی کرسکتا ہے۔ چاہے وہ نیکوکار ہو یا فاجر۔

(۳) **عن ابن مسعود لابدللناس من إمارة برة أوفاجرة**(كنز العمال)

یعنی انسانوں کے لیے امارت کا ہونا ضروری ہے۔ امارت عادلہ ہو یا فاجرہ۔

(۴) **والإمارة خير من الهرج قيل يارسول الله وما الهرج قال القتل والكذب** (كنز العمال)

امارت (بہرحال) ہرج سے بہتر ہے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرج سے کیا مراد ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل اور جھوٹ ہے۔(۱)

(۵) **الإسلام والسلطان أخوان تو أمان، لا يصلح واحد منهما إلابصاحبه،**

(۱) مطلب یہ ہے کہ جب امارت نہ ہوگی تو لوگ غیر مشروع اور ناجائز اعمال کا ارتکاب کرکے ہلاک ہوں گے۔

فالإسلام أسٌّ والسلطان حارث، ومالا أسَّ له يهدم ومالاحارث له ضائع(عن ابن عباس كنز العمال)

اسلام اور سلطان دونوں اخوان توامان ہیں یعنی ایسے دو بھائی ہیں جو ساتھ پیدا ہوئے ہوں۔ ہر ایک کے صلاح وبقاء کے لیے دوسرے کی ضرورت ہے۔ اسلام بنیاد ہے اور سلطان نگہبان، جس چیز کی بنیاد نہیں ہوتی وہ گر جاتی ہے اور جس چیز کے لیے کوئی نگہبان نہیں ہوتا وہ ضائع ہوجاتی ہے۔ (بروایت ابن عباس)

(۶) **اتقوا اللّٰه وأصلحوا ذات بينكم اى الحالة التى يقع بها الاجتماع والائتلاف**(سراج المنير جلد اول: ص:۳۷ عن انس)

اللہ پاک سے ڈرو اور اپنی حالتوں کی اصلاح کرو۔ یعنی ایسی حالت بناؤ جس سے اجتماع اور ائتلاف پیدا ہو۔ (بروایت حضرت انس)

علامہ شیخ محمد محشی جامع الصغیر نے اصلاح ذات بین کی اور زیادہ وضاحت فرمادی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

قوله ذات بينكم اى الحالة التى يقع بها الاجتماع أى لاتسعوا فيما ينفركم ويقطع اجتماعكم، بل اسعوا فيما يجمعكم.

ذات بین کی اصلاح کرو یعنی ایسی حالت بناؤ کہ جس سے حقیقی اجتماع پیدا ہو۔ یعنی نفرت پیدا کرنے کی سعی نہ کرو اور اپنے اجتماع کو منقطع کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ اس امر کی کوشش کرو جس سے تمہارے اندر اجتماع پیدا ہو۔

(۷) **إذا أرادالله بقوم خيرا، ولّى عليهم حلماء هم وقضى بينهم علماء هم وجعل المال فى سمحاء هم** (عن مهران سراج المنير قال المنادى اسناده جيد)

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر اسی قوم کے حلیم اور بردبار لوگوں کو والی بناتا ہے اور ان کے قضایا کا فیصلہ علماء کرتے ہیں۔ اور اللہ پاک مالوں کو اس قوم کے سخی لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔

(۸) **عن أبى سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذاخرج ثلاثة فى سفر**

فليؤمروا عليهم أحدهم. (رواه ابو داؤد وغيره)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین شخص (بھی) سفر میں جائیں تو لازم ہے کہ ان تین میں سے ایک کو اپنے لیے امیر بنالیں۔

علماء کرام واعیان ملت! جس قدر میں نے احادیث وآثار نقل کردیئے ہیں ان سے اقامت امارت کا مسئلہ بخوبی سمجھا جاتا ہے۔ بالخصوص آخری حدیث بطریق دلالۃ النص اس باب میں نص ہے۔ حالت سفر میں امیر بنانے کا حکم ندباً ہے یا وجوباً؟ اس میں گرچہ علماء کا اختلاف ہے اور دونوں طرف لوگ گئے ہیں مگر مستقل آبادی کے اوپر امیر قائم ہونے کے وجوب میں اہل سنت والجماعت کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس آخری حدیث کی شرح میں علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی نقل کردوں تاکہ اچھی طرح عوام بھی سمجھ جائیں۔

علامہ شوکانی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفيها دليل على أنه يشرع لكل عدد بلغ ثلثة فصاعداً أن يؤمروا عليهم أحدهم لأنَّ فى ذالك السلامة من الخلاف الذى يؤدّى إلى التلاف فمع عدم التامير يستبد كل واحد برأيه ويفعل مايطابق هواه فيهلكون و مع التامير يقل الاختلاف ويجتمع الكلمة واذا شرع هذاالثلثة يكونون فى فلاة من الأرض أو يسافرون فشرعيته لعدد أكثر يسكنون القرىٰ والأمصار ويحتاجون لدفع التظالم وفصل التخاصم أولى وأحرى.

(وفى ذالك دليل) لقول من قال إنه يجب على المسلمين نصب الأئمة والولاة والحكام (نيل الاوطار :۸/۲۵۶)

"امارت فی السفر" کی حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ تین عدد یا اس سے زیادہ کے لیے درست ہے کہ اپنے اوپر اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں اس اختلاف سے نجات ہے جو ہلاکت تک پہنچاتا ہے۔ پس امیر نہ بنانے کی صورت میں ہر

شخص خودرائے ہوگا۔ اور اپنی اپنی خواہش اور ہوائے نفس کے مطابق کام کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب ہلاک ہوجائیں گے اور امیر بنانے کی صورت میں اختلاف کم ہوگا۔ اور اجتماع کلمہ ہوگا (یعنی امیر کا حکم ناطق اور فیصلہ کن ہوگا) اور جب حکم تامیر یعنی امیر بنانا ایسے تین شخصوں کے لیے درست ہوا جو میدانوں میں ہوں یا ملک میں سفر کررہے ہوں تو یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ دیہاتوں اور شہروں میں بستے ہیں اور دفع تظالم اور فصل خصومات کے محتاج ہیں۔ ان کے لیے امیر بنانا بدرجۂ اولیٰ مشروع ہوگا۔ اور اس روایت میں دلیل ہے اس شخص کے لیے جو کہتا ہے کہ اماموں اور والیوں اور حکام کا مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے"

امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

وقال أيضاً إذا كنتم ثلثة فى السفر فامّروا أحدكم وكانوا يفعلون ذالك ويقولون هذا أميرنا أمره رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وليؤمروا أحسنهم أخلاقاً وأرفقهم بالأصحاب وأسرعهم إلى الإيثار وطلب الموافقة. وإنما يحتاج إلى الأمير لأن الأراء تختلف فى تعيّن المنازل والطرق و مصالح السفر ولانظام إلا فى الوحدة ولا فسادَ إلا فى الكثرة وإنما انتظم أمرُ العالم لأن مدبّرا لكل واحد لوكان فيهما اٰلهة إلا اللّٰه لفسدتا. ومهما كان المدبّر واحدا انتظم ا مرالتدبير وإذا كثر المدبّرون فسدت الأمور فى الحضر والسفر إلا أن مواطن الإقامة لاتخلو عن أمير عام كأمير البلد وأمير خاص كربّ الدار وأما السفر فلا يتعين له أميرٌ إلا بالتأمير فلهذا وجب التأمير ليجتمع شتات الأراء ثم على الأمير أن لا ينظر إلا لمصلحة القوم وأن يجعل نفسه وقاية لهم. (احیاءعلوم الدین :۲/ باب آداب المسافر)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تم تین آدمی سفر میں رہو، تو ایک شخص کو اپنا امیر بنالو۔ اور صحابۂ کرام اس حکم پر عمل کرتے رہے۔ اور امتثال امر کے بعد یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ شخص ہمارے امیر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر بنایا

یعنی ان کے حکم کے باعث امیر بنائے گئے ہیں۔ اور لوگوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کو امیر بنائیں جس کے اخلاق بہتر ہوں۔ اور اپنے اصحاب پر نرمی کرنے والا ہو اور ان سب میں ایثار اور طلب موافقت کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔

اور امیر بنانے کی حاجت اس لیے ہے کہ تعین منازل اور طریق سفر کے مصالح میں رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اور نظام کا وجود نہیں ہوسکتا ہے مگر وحدت میں یعنی ایک ہی شخص بااختیار ہو اور فساد کا وجود نہیں ہوتا ہے مگر کثرت میں یعنی ہر شخص خود مختار ہو اور عالم کا کام اس لیے منظّم اور درست ہے کہ تمام عالم کا مدبر ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اگر چند خدا ہوتے تو آسمان وزمین فاسد ہوجاتے ہیں۔

اور قاعدہ ہے کہ جب مدبر اور نظم کرنے والا ایک ہوگا تو تدبیر اور انتظام درست ہوگا اور جب بہت سے مدبر ہوں گے تو تمام امور فاسد ہوں گے حضر ہو یا سفر، لیکن اقامت کی جگہیں مثلاً دیہات اور شہر امیر سے خالی نہیں ہوتیں۔ یا تو امیر عام ہوتا ہے جیسے امیر البلد یا امیر خاص جیسے مالک مکان مگر سفر میں سوا اس کے کہ خود رفقائے سفر از خود کسی کو امیر بنالیں کوئی امیر متعین نہیں ہوتا ہے اس لیے امیر بنانا واجب ہوا۔ تاکہ اختلاف آرا مٹ کر اتفاق ہوجائے پھر امیر پر واجب ہے کہ قوم کی مصلحتوں پر نگاہ رکھے اور ان کی حفاظت کرے۔''

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

قد أوجب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تأمیر الواحد فی الاجتماع القلیل العارض فی السفر فھو تنبیہ علی أنواع الاجتماع والواجب اتخاذ ولایة القضاء دیناً وقربةً فإنھا من أفضل القربات وإنما فسد حال الأکثر لطلب الریاسة والمال بھا ومن یفعل ما یمکنہ لم یلزمہ مایعجزعنہ. (کتاب الاختیارات شیخ الاسلام ابن تیمیہ)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اجتماع کی حالت میں جو سفر میں عارضی ہوتا ہے ایک شخص کو امیر بنانا واجب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس حکم میں اجتماع کی تمام انواع پر تنبیہ ہے (یعنی مسلمانوں کی آبادی واجتماع تامیر سے خالی نہیں ہونی چاہئے) اور ولایۃ قضاء کا بنانا بہ

لحاظ دین اور تقرب الی اللہ کے واجب ہے۔ اس لیے کہ ولایۃ قضا افضل قربات میں سے ہے اور محض طلب ریاست اور طلب مال کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا حال برا ہوا اور جس قدر استطاعت اور امکان میں ہے اس قدر کرنے کے بعد اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس سے وہ عاجز ہے اس کو بھی کرے۔''

تصریحات فقہاء کرام

علماء کرام وداعیان اسلام: قیام امارت کے چند ماخذوں کی جانب میں نے اشارہ کیا ہے اور بعض اہم نصوص اور بھی ہیں جن کو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مباحث کے ذیل میں بیان کروں گا۔

اب میں چاہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے چند اقوال بھی نقل کردوں تاکہ عام لوگوں کے ذہن میں یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشیں ہوجائے کہ یہ کوئی نیا اجتہاد نہیں ہے بلکہ فقہائے کرام اس کے متعلق پہلے ہی سے صراحت کرتے آئے ہیں۔

پہلی تصریح:

وفی معراج الدرایة عن المبسوط البلاد التی فی أیدی الکفار بلاد الإسلام لا بدار الحرب لأنھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاة والولاة مسلمون یطیعونھم عن ضرورة أو بدونھا. وکل مصرٍ فیہ وال من جھتھم یجوز لہ إقامة الجمع والأعیاد والحدوتقلید القضاة لاستیلاء المسلم علیھم فلوالولاة کفارا یجوز للمسلمین إقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین و یجب علھیم أن یلتمسوا والیا مسلما. (ردالمحتار: جلد اول، ص:۵۹۴)

''اور معراج الدرایۃ میں مبسوط سے منقول ہے کہ جتنے شہر کفار کے قبضہ میں ہیں (جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے) وہ سب بلاد اسلام ہیں۔ دارالحرب نہیں ہیں اس لیے کہ

کافروں نے ان مقبوضہ شہروں میں کفر کا حکم ظاہر نہیں کیا ہے۔ بلکہ قضاۃ وولاۃ سب مسلمان ہی ہیں جو کفار (بادشاہوں) کی اطاعت کرتے ہیں۔ بہ ضرورت یا بغیر ضرورت۔ اور ہر وہ شہر جس میں (مسلمان) والی کافروں کی طرف سے مقرر ہو تو اس والی مسلم کے لیے جمعہ اور عیدین قائم کرنے کے ساتھ حد قائم کرنا نیز قاضی مقرر کرنا درست ہے۔ کیوں کہ (حقیقتاً) مسلمان ہی مسلمانوں پر حاکم ہے۔ پس اگر شہر کے ولاۃ (حکام) کفار ہوں تو مسلمانوں کے لیے ایسے مقام پر جمعہ پڑھنا جائز ہوگا۔ اور (اس صورت میں) مسلمانوں کا قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے ہوگا (یعنی جس کو مسلمان مشورہ کر کے قاضی بنادیں گے وہی قاضی ہوگا۔ اور (ایسی مجبوری کی حالت میں) مسلمانوں پر واجب ہے کہ مسلمان والی کی جستجو کریں۔"

عبارت مذکور میں بلاد اسلام جن پر کافروں کا قبضہ کسی نوع سے ہوگیا ہو۔ اس کی تین صورتیں مذکور ہیں۔ اول یہ کہ حقیقتاً قبضہ وملک کا تصرف تو مسلمانوں کا ہے، لیکن کافر بادشاہ کا بھی تعلق ہے جیسے موجودہ وقت میں تقریباً عراق عرب کی حالت ہے (یہ اس وقت کی صورت حال کا ذکر ہے جب کہ عراق پر انگریزی حکومت کا تسلط تھا۔ اب وہ صورت حال نہیں ہے) اور دوم اندرونی نظم تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں اور اندرونی طور پر انہیں کی حکومت ہے لیکن کافر بادشاہ کا اقتدار بہت زیادہ ہے۔ حتی کہ مسلمان حاکم اور والی کا تقرر بھی کافر بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کو عزل ونصب کا اختیار ہے۔ جیسے تقریباً حیدرآباد (دکن) وغیرہ (نظام کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اب حیدرآباد بھی تیسری قسم میں داخل ہے۔ اور اس میں ہندستان کے تمام صوبے برابر ہیں) اور سوم یہ کہ کفار بالکل ہر طرح پر مسلط ہیں اور مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ملک میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جیسے ہندستان کے اکثر شہر۔

پہلی دو صورتوں میں چوں کہ مسلمان والی اور حاکم ایک جہت سے موجود ہیں۔ لہٰذا ایسے مقام پر عام مسلمانوں کو والی اور قاضی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں پر احکام جاری کرنے میں کافر حکام کی مرضی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ کافروں کے قوانین واحکام کو کوئی دخل ہے لیکن تیسری صورت میں تصریح موجود ہے کہ والی کا طلب کرنا

واجب ہے اور مسلمان اپنے مقدمات کے انفصال کے لیے جس شخص کو قاضی بنائیں وہ قاضی ہوجائے گا اور مسلمانوں کو یہی کرنا چاہئے ورنہ ان کا نظام شرعی محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔

دوسری تصریح:

قال فی مجمع الفتاویٰ غلب علی المسلمین ولاۃ الکفار یجوز للمسلمین إقامۃ الجمعۃ والأعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم أن یلتمسوا والیا مسلما (طحطاوی جلداول: ص:۳۳۹)

"مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ (ایسی صورت میں کہ) مسلمانوں پر کفار کے حکام غالب ہوگئے ہوں (یعنی حکومت کافرہ قائم ہوگئی ہو) تو مسلمانوں کو (ایسے مقام میں) جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے اور (اس وقت) مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے لیے والی مسلم کی جستجو کریں۔"

اس عبارت کا بھی مفہوم وہی ہے جو پہلی تصریح کی آخر عبارت کا مطلب ہے۔ یعنی اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہندستان کے جس حصہ پر حکومت کافرہ مستقلہ قائم ہوگئی ہو وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ والی طلب کریں اور اپنی رضامندی سے اتفاق کر کے قاضی بنائیں اگر والی مسلم کا تحقق نہ ہوا ہو۔

تیسری تصریح:

وأمّا فی بلادٍ علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین إقامۃ الجمع والأعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم طلب والٍ مسلم (البحر الرائق نقلاً عن جامع الفصولین جلد سادس: ص:۲۹۸)

"وہ تمام شہر جہاں کفار والی ہوں (یعنی حکومت کافرہ ہو) تو وہاں جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا۔ پس مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے میں سے مسلمان والی کے حصول کی جدوجہد کریں۔"

یہ عبارت اس باب میں صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ جب حکومت کافرہ ہو جائے تو مسلمانوں کو اپنے لیے خاص نظم کرنا چاہئے اور والی طلب کرنا چاہئے اور قاضی بنانا چاہئے۔

چوتھی تصریح:

وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والأعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم. (ردالمحتار جلد رابع: ص:۳۳۹ نقلاً عن التاتارخانیہ)

"وہ تمام شہر جہاں کفار والی ہوں۔ (یعنی حکومت کافرہ ہو) تو وہاں جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہوگا۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے والی مسلم طلب کریں۔"

اس عبارت میں بھی بالکل صراحت ہے۔ کہ حکومت کافرہ قائم ہو جائے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہوگا۔ یعنی مسلمانوں کو خود اپنا قاضی بنانا چاہئے اور یہ بھی صراحت ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ والی طلب کریں لیکن اس عبارت میں لفظ "منهم" زائد ہے جو دیگر فقہاء کی تصریحات میں نہیں ہے۔

اور اس لفظ کے زائد ہونے سے دو احتمال پیدا ہو گئے۔ ایک یہ کہ منہم کی ضمیر کا مرجع لفظ مسلمین ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی جماعت میں سے والی کی تلاش کریں اور اس کو والی بنائیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع کفار حکام ہوں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کفار حکام سے والی مسلم طلب کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

اگرچہ بعض علماء کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احتمال ثانی بھی درست ہے۔ لیکن اصول اسلام اور دیگر مسائل فقہیہ اس کی تغلیط کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ مسلم ہے کہ مسلمانوں پر کفاروں کی ولایت کسی نوع سے صحیح نہیں ہے۔ اور اسی لیے کافر کی شہادت علی المسلم جائز نہیں ہے۔ پھر جب کافر کی ولایت صحیح نہیں ہے تو اس کا والی مقرر کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ مقرر بھی کر دے تو اس کی ولایت اسی وقت صحیح ہوگی جب خود مسلمان اس کو

پسند کر لیں اور اس سے راضی ہو جائیں جیسا کہ دوسرے مقام میں اس کی تصریح موجود ہے اور اس کو میں آئندہ نقل کروں گا۔

پانچویں تصریح:

وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسیة وبلاد الحبشة واقروا المسلمین عندهم علی مال یوخذ منهم یجب علیهم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولّی قاضیا او یقضی هو بینهم وکذا ینصبوا لهم إماماً یصلی بهم ا لجمعة (فتح القدیر جلد سادس مصری: ص،۳۶۵)

"جب کہ (مسلم) بادشاہ نہ ہو اور نہ ایسا شخص ہو جس کا قاضی مقرر کرنا جائز ہو (مثلاً والی منجانب سلطان وغیرہ) جیسا کہ یہی حالت مسلمانوں کے ان بعض بلاد کی ہے جس پر کفار غالب آ گئے ہیں (یعنی حکومت کافرہ قائم ہو گئی ہے) جیسے بلاد مغرب میں ان دنوں قرطبہ، بلنسیہ اور بلاد حبشہ ہیں اور (بعد غلبہ کفار) کفار نے مسلمانوں سے کچھ مال (خراج) لے کر ان شہروں میں) اپنی حکومت کے اندر قیام کی اجازت دے دی ہے تو ایسی حالت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی جماعت میں سے کسی ایک شخص کو متفق ہو کر والی بنائیں۔ پس وہی والی قاضی مقرر کر دے گا اور یا والی خود ہی مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے گا اور جس طرح مسلمانوں کو اپنا والی مقرر کرنا چاہئے اسی طرح اپنا امام جمعہ بھی مقرر کرنا چاہئے (اگر والی مقرر نہ ہوا ہو یا مقرر ہو چکا ہو، لیکن کسی وجہ سے اس کو امام جامع مسجد مقرر کرنے کا موقع نہ ملا ہو)

لہٰذا فتح القدیر کی اس عبارت نے نہایت واضح طریقہ پر یہ حکم بتا دیا کہ حکومت کافرہ قائم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو خود اپنا والی منتخب کرنا چاہئے۔ اسی کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار ہوگا، نصوص شرعیہ اور دیگر اصول کا بھی یہی تقاضہ ہے۔

علامہ ابن ہمام نے یہاں پر دونوں مسئلوں کو بیان کیا ہے۔ ایک اقامت والی اور اس

کے ماتحت نصب قضاۃ۔اور دوسرا مسئلہ نصب امام جمعہ ہے اوراس کے نصب کی نسبت مسلمانوں کی طرف ہے۔تواس کا یہ مطلب ہے کہ جب تک والی نہ ہوامام جمعہ قوم کومقرر کرلیناچاہئے۔یاوالی ہومگراس نے کسی مانع کی وجہ سےنصب امام نہیں کیا ہواس کی مثال اور نظیر یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ جوخلیفۃ المسلمین کے ماتحت ہوں وہاں کا والی جوامام جامع تھا مثلاً مرگیا اورخلیفہ کی طرف سے ابھی تک کوئی والی یا امام جامع مقررنہیں ہواتو مسلمانوں کو چاہئے کہ خودامام جامع مقررکرلیں۔مبسوط میں ہے:

فقد ذكر ابن رستم عن محمد رحمهما الله تعالىٰ أنه لو مات عامل أفريقية فاجتمع الناس على رجل فصلّى بهم الجمعة أجزائهم (مبسوط جلد ثانی،ص:۳۵)

ابن رستم نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اگر افریقہ کاعامل (حاکم) مرجائے اور مسلمان ایک شخص پراتفاق کرلیں۔اور وہ شخص نماز جمعہ پڑھائے تو ان کی نماز درست ہوگی۔

خلاصۂ مرام یہ ہے کہ ان فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ حکومت کافرہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کواپنے معاملات کے لیےخودنظم کرنا چاہئے یعنی ان کے لیے اپناوالی ہواپنا قاضی ہو۔

علامہ ابن ہمام نے اس امر کی بھی تصریح کردی کہ کفار کی طرف سے قاضی مقرر نہ ہواور نہ ان کی طرف دست سوال دراز کرنے کی ضرورت ہے۔اور یہ اصولاً صحیح بھی ہے کیوں کہ **لاولاية للكافر على المسلم** معروف ومشہور ہے۔اورجس کومسلمانوں پرولایت کاحق نہیں ہےاس کوتقلید قضا کا بھی حق نہیں ہے۔

اگرچہ بعض فقہاء اس کے جواز کی طرف مائل ہوئے ہیں۔تو یہ حقیقتاً واصولاً نہیں ہے، بلکہ مجبوراًاورضرورۃً۔یہی وجہ ہے کہ صاحب نہر، ابن ہمام کےقول کوقابل اعتماد لکھتے ہیں اورفرماتے ہیں کہ اسی سےنفس کواطمینان ہوتا ہے۔کیوں کہ اس قول پراصول کومنحرف نہیں ہونا پڑتا۔اور نہ واقع میں کوئی ضرورت ہے۔چناں چہ علامہ شامی، ابن ہمام کی عبارت

مذکورالصدرنقل کرنے کے بعدلکھتے ہیں:

وهذا هو الذى يطمئن النفس إليه فليعتمد الخ نهر . والإشارة بقوله و هذا أى ما افاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر على خلاف ما مر عن التتارخانيه ولكن إذا ولى الكافر عليهم قاضياً رضيه المسلمون صَحّت توليته بلاشبهةٍ تأمل. (ردالمحتار جلدرابع ص:۳۳۹)

’’یہی وہ چیز ہے جس سے نفس کواطمینان ہوتا ہے۔پس اسی پراعتماد کرنا چاہئے۔(نہر) اور صاحب نہر کے قول میں لفظ ہذا کااشارہ اس امر کی طرف ہے کہ منجانب کفارمسلمانوں کا قاضی ہونادرست نہیں ہے۔ جو فتح القدیر کے کلام کا مفاد ہے۔مگر یہ تتارخانیہ کے خلاف ہے۔لیکن جب کافر مسلمانوں کے لیے مسلم قاضی مقررکردے اور مسلمان بھی اس کو پسند کرلیں توبلاشبہ یہ تقرر صحیح ہوگا،مگرمحل غور ہے۔‘‘

اس عبارت میں تصریح ہے کہ صاحب نہرنے ابن ہمام کےقول کوقابل اطمینان وقابل اعتماد بتادیا ہے۔اورعلامہ شامی کہتے ہیں کہ ابن ہمام کےقول سے یہ بات پیدا ہوئی کہ منجانب کفارقاضی ہونادرست نہیں۔اسی کوصاحب نہرنے قابل اطمینان واعتماد بتایا۔علامہ شامی کی اس بات کوتسلیم کرلینے کے بعداس سے یہ بھی لازم ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کوخوداپناوالی اور قاضی مقررکرنا چاہئے۔اور جب منجانب کفارتقرر قاضی صحیح نہیں ہواتو تقرر والی بھی صحیح نہیں ہوگا✠ کیوں کہ مناط دونوں حکموں کا واحد ہے: کہ **لاولاية للكافر على المسلم.**

اسی بناپر علامہ شامی تتارخانیہ کے قول کولکھ کر لکھتے ہیں:’’لیکن اگرکافر قاضی مقررکردےاورمسلمان راضی ہوجائیں توبلاشبہ یہ تقرر صحیح ہوگا‘‘ پھرخودہی فرماتے ہیں،تأمل یعنی غورکرو، کیوں کہ اصولاً ولایت کافرعلی المسلم جائزنہیں ہے۔پس اگراس نے مقررکردیااور مسلمان راضی ہوگئے تواس کو یہ کہنا کہ کافرکاتقررکرنا صحیح ہوا بالکل غلط ہے۔ بلکہ مسلمان اگر خود پسند کریں توان کی پسندیدگی کی بناپرالبتہ وہ قاضی ہوسکتا ہے۔اگرچہ اس کوکفارنے مقرر کیا ہومگر کفار کےتقررکوصحت قضامیں دخل نہ ہوگا۔

علمائے ہند کے فتاوے

علمائے کرام اوراعیان ملت! میں نے آپ حضرات کا اقامت امارت کے وجوب کی بحث میں بہت سا وقت لیا۔ اگر چہ آپ کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی۔ مگر عوام کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ غالبًا عوام نے آج سے پہلے اس کی ضرورت اور وجوب کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہوگا۔ اوران ہی عوام کی تسکین خاطر کے لیے میں چاہتا ہوں کہ ہندستان کے بعض علمائے سلف کے فتاوے بھی نقل کردوں تا کہ معلوم ہو کہ علمائے ہند اس سے غافل نہ تھے۔ اگر چہ زمانہ کی عدم مساعدت کے باعث حکومت اسلامیہ کے زوال کے وقت سے سلف صالحین ہند کو امارت قائم کرنے کا موقع نہ ملا مگران بزرگوں نے اظہار حق میں کوتاہی نہیں کی۔

فتویٰ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ

واقامت جمعہ در دارالحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد باذنِ اودُرست۔ والا مسلمانان را باید کہ یک کس را کہ امین ومتدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت وحضور او اقامت جمعہ واعیاد وانکاح من لا ولی من الصغار وحفظ مال غائب وایتام وقسمت ترکات متنازع فیہا علیٰ حسب السہام می نمودہ باشد بے آنکہ در امور ملکی تصرف کند ومداخلت نماید۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول:۳۲)

اگر کفار کی طرف سے مسلمان (۱) والی دارالحرب کے کسی مکان میں مقرر ہو تو اس والی مسلم کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے۔ ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک امین اور دیندار شخص کو سردار (والی) خود ہی مقرر کریں۔ تا کہ اس کی موجودگی اور اس کی اجازت سے جمعہ، عیدین قائم کریں اور اس کے حکم سے جن نابالغوں کا کوئی والی نہ ہو نکاح پڑھایا جاوے اور غائب اور یتیموں کے مالوں کی حفاظت کی جائے۔ اور موافق حصص شرعیہ ان ترکات کی تقسیم کی جائے جس میں نزاع ہو۔ سوا اس بات کے (حکومت کافرہ کے) ملکی کاموں میں

(۱) یعنی مسلم والی جو احکام وقوانین کفرہ کے اجرا پر مجبور نہ ہو بلکہ احکام وقوانین اسلام کے اجرا میں آزاد ہو اگر دارالحرب میں منجانب حکومت کافرہ مقرر ہو۔

مداخلت اور تصرف اس والی کو نہیں کرنا چاہئے۔

دیکھئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کس وضاحت کے ساتھ نصب والی مسلم کا فتویٰ دیا ہے۔ اور اس کے فرائض بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتادیئے ہیں۔

فتویٰ مولانا شیخ یوسف بن قادر احمد مرحوم

مع

تصدیق مولانا عبدالحیٔ صاحب علیہ الرحمۃ لکھنوی

یہ فتویٰ عربی زبان میں ہے اور بہت بڑا فتویٰ ہے۔ اس فتوے کی حسب ذیل عبارت مسئلہ امارت کے متعلق ہے۔

فإذا علمت هذا فيجب أن يجتهد و يلتمس أهل كل بلدة واليا وأن يتفقوا عليه حتى يقيم به الجمع والأعياد ويزوّج الأيتام وجاء فى الحديث من مات ولم يول على نفسه إماماً مات ميتة جاهلية ثم لا يخفى أن كل بلدة وقرية فى بلاد نا لم يخل من والٍ ورئيسٍ فى الزمان المتقدم لكن فى هذا الزمان وقع بين أهله التخالف والافتراق ولم يوجد القضاة الا نادراً فينبغى أن يجتمعوا ويتفقوا على والٍ واحد حتى يقيم به الجمع والأعياد ويزوّج الأيتام لأن الوالى كالسلطان فلايجوز السلطان إلا واحدا لأنه جاء فى الحديث إذا بويع للخليفتين فاقتلوا اٰخر منهما فكذا الوالى فليجتنب عن الوالى الأخر والله تعالىٰ أعلم بالصواب. كتبه أحقر العباد شيخ يوسف بن قادر أحمد عفى عنهما صح الجواب والله أعلم حرره الراجى عفو ربه القوى. أبو الحسنات محمد عبدالحى تجاوز الله عن ذنبه الجلى والخفى

(مجموعہ فتاویٰ ۱۶۱ مولانا عبدالحی صاحبؒ جلد دوم کتاب القضاۃ)

"پس جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا (یعنی جو کچھ پہلے لکھا گیا ہے تو یہ معلوم کرو) کہ ہر اہل بلد کے لیے واجب ہے کہ کوشش کرے اور ایک والی کی جستجو کرے اور اس پر اہل بلد متفق

ہوجائیں تاکہ اس کی وجہ سے جمعہ اور عیدین قائم ہوں۔ اور وہی والی یتیموں کا نکاح پڑھاوے۔ (یعنی جن کا کوئی ولی نہ ہو) اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس پر کسی کو والی نہیں بنایا اور مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

پھر مخفی نہ رہے کہ ہمارے ملک کا کوئی شہر اور گاؤں گزشتہ زمانہ میں والی مسلم سے خالی نہ تھا۔ لیکن اس زمانہ (چودھویں صدی) میں اہل زمانہ کے مابین پھوٹ اور اختلاف واقع ہوا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قضاۃ کا وجود نہیں رہا۔ الا شاذ و نادر (مثلاً حیدر[illegible]اد، [illegible]ھوپال) [illegible] مناس[illegible] ہے کہ مسلمان کسی ایک والی[illegible]مجتمع اور متفق ہو[illegible]ئیں[illegible]ا کہ اس کی وجہ سے جمعہ اور عیدین قائم ہوں۔ اور وہی والی لاوارث یتیموں کا نکا[illegible]ھائے۔ اس لیے کہ والی[illegible]اہ کے مثل ہے پس بادشاہ (ا[illegible] ملک میں) ا[illegible] ہی ہوگا۔ کیوں حد[illegible]شر[illegible] میں[illegible]ا ہے •جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو جس کی بیعت متاخر ہو اس کو مار ڈالو (اگر توبہ نہ کرے) پس یہ حکم والی کے متعلق بھی ہے۔ لہٰذا ایک والی کے ہوتے ہوئے دوسرا والی بنانے سے احتراز کیا جائے۔"

اس فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ والی (امیر) بنانا واجب ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے علمائے سلف کو والی کے عدم وجود پر افسوس تھا اور ان حضرات نے والی نہ بنانے کو ایک گناہ قرار دیا ہے۔ پس نہایت مبارک ہے اہل اسلام کا وہ خطہ جہاں کے مسلمان اپنے لیے والی منتخب کریں اور قابل مبارکباد ہیں وہ مسلمان جو اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے نظام شرعی کے قیام اور بقا کے لیے امارت شرعیہ کو قائم کریں۔

قیام امارت کی اہمیت و ضرورت

علمائے کرام اور اعیان ملت! اقامت ولایت و امارت کے ثبوت اور وجوب میں جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ ہر سمجھدار اور منصف کے یقین کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک امر بیان کرتا ہوں۔ تاکہ عوام و خواص اس کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کر لیں۔

مسلمانوں کے شیرازہ کا منضبط ہونا اور ان کا ایک شرعی جماعت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور پھر ان میں ایک اجتماعی طاقت کا پیدا ہونا۔ یہ سب ایسے امور ہیں جو بغیر قیام امارت ممکن نہیں ہے اور اجتماعی طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے آئے دن دشمنانِ اسلام کا مسلمانوں کو ہزاروں قسم کے نقصانات کا پہونچاتے رہنا یہ سب ایسے وجوہ ہیں کہ قیام امارت کو نہایت ضروری قرار دیتے ہیں۔

لیکن ان وجوہ کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ اسلام کے معاشرتی مسائل "فسخ نکاح" "تفریق"، "خلع" وغیرہ سب کے سب ایسے مسائل ہیں جن میں قضائے قاضی شرط ہے اور بغیر قضائے قاضی ان کا حل ممکن نہیں ہے۔ متقدمین متاخرین تمام اس پر متفق ہیں۔

موجودہ زمانہ میں شرعی قاضی نہ ہونے کی وجہ سے کتنے مفاسد پیدا ہو رہے ہیں؟ اس پر واقعات اور مسلمانوں کی زندگی شاہد ہے۔ حتیٰ کہ اب سنا ہے کہ بعض شریف عورتیں نعوذ باللہ ظالم شوہروں سے جانبر ہونے کے لیے ارتداد کی راہ تک رہی ہیں۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کا کسی کافر کے سامنے اپنے مقدمات کو فیصلہ کے لیے از خود لے جانا شرعاً حرام ہے حتیٰ کہ کسی کافر کو حکم بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا. (نساء: ۶۰)

"کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہیں جن کا گمان ہے کہ وہ اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو آپ پر اتری اور اس چیز پر (بھی) جو آپ سے پہلے اتری وہ لوگ ارادہ کرتے ہیں کہ طاغوت (یعنی کافر) سے فیصلہ طلب کریں۔ حالاں کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت (یعنی کافر) کا انکار کریں۔ اور شیطان ان کو بہت سخت گمراہ کرنا چاہتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ ہندستان کے علمائے سلف کو کم از کم اس قسم کے معاملات میں کہ جس میں قضائے قاضی شرط ہے ہمیشہ سخت دقتیں محسوس ہوتی رہی ہیں۔ چناں چہ مولانا عبدالحئی

صاحب لکھنوی کے پاس بنگال سے ایک سوال گیا تھا۔ ''کہ ایک نابالغہ لڑکی کی شادی اس کے غیر ولی مجبر نے کردی تھی۔ اس نے بعد بلوغ ''خیار بلوغ'' کی بنا پر خود ہی بغیر قضائے قاضی نکاح فسخ کر کے دوسرے سے نکاح پڑھالیا۔''

مولانا مرحوم نے جواب میں لکھا کہ خیار بلوغ کی بنا پر نکاح کے فسخ کرنے میں قضائے قاضی شرط ہے۔ اس لیے دوسرا نکاح ناجائز ہوا اور یہ بھی لکھا کہ جن شہروں پر کفار کا قبضہ ہے اور وہاں قضائے قاضی کا وجود نہیں ہے اور ایسا واقعہ ہوجائے تو یہ کرنا چاہئے کہ جہاں قاضی ہوں معاملہ پیش کر کے انفصال طلب کرنا چاہئے مثلاً حجاز، روم، رام پور، بھوپال وغیرہ۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی صاحب جلد اول: ص: ۳۲۷ طبع جدید)

یہ کس قدر دقت طلب امر ہے حالاں کہ اس قسم کے قضایا کا نظم کرنا واجب ہے۔ کیوں کہ **القضاء فريضة محكمة و سنة متبعة** نہایت مشہور ہے۔ پس ان جزئی مسائل اور جزئی احوال کے لحاظ سے بھی اقامت والی ونصب قاضی واجب ہے۔ کیوں کہ **مايتوقف عليه الواجب واجب** خلاصہ یہ ہے کہ قیام امارت کے وجوب میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور علمائے سلف اور فقہائے کرام میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

منصبِ امیر اور اس کے فرائض

علمائے کرام واعیان اسلام! مسئلہ امارت کی مشروعیت اور وجوب اور اس کی ضرورت واہمیت بتانے کے بعد مختصر طور پر میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس صوبہ میں جو امیر شریعت ہوگا، اس کا کیا مطلب ہوگا اور اس کی کیا حیثیت ہوگی اور اس کے کیا فرائض ہوں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کے ارباب حل وعقد بطور خود جس حلقہ کے لیے کسی شخص کو والی اور امیر مقرر کریں گے کہ وہ ان کا والی اور امیر ہو کر احکام شرعی کے مطابق ان کے کاموں کا نظم کرے گا تو وہ اس حلقہ کے مسلمانوں کا حاکم ہوگا اور اس کی حیثیت اس والی جیسی ہوگی جو منجانب خلیفۃ المسلمین مقرر ہو۔ شرعاً اور حکماً ان دونوں والیوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

کیوں کہ جب خلیفۃ المسلمین کی طرف سے کسی ولایت کے قائم ہونے میں معذوری

ہو یا قائم ہونا ناممکن ہو تو شرعاً مسلمان مکلّف ہیں کہ خود قائم کرلیں کیوں کہ خلیفہ کو ولایت کے قائم کرنے کا حق جو شرعاً حاصل ہوا ہے وہ امت مسلمہ کے احوال کی نگرانی کے لیے اور انہیں کی تفویض سے ہے۔ پس جب خلیفہ معذور ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا از خود والی قائم کرلینا بمنزلہ اس کے ہوگا کہ گویا خلیفہ نے حکم کر دیا۔ اس کی نظیر کے لیے مبسوط کی حسب ذیل عبارت غور سے پڑھنا چاہئے۔

فقد ذكر ابن رستم عن محمد رحمهما الله أنه لو مات عامل أفريقية فاجتمع الناس على رجل فصلى بهم الجمعة أجزأهم لأن عثمان رحمه الله لمّا حُصر اجتمع الناس علىٰ علي رضي الله عنه فصلى بهم الجمعة ولان الخليفة إنما يأمر بذالك نظرا منه لهم فإذا نظروا لأنفسهم واتفقوا عليه كان ذالك بمنزلة أمر الخليفة اياه. (مبسوط جلد ثانی، ص: ۳۵ باب الجمعہ)

''ابن رستم رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ اگر (مثلاً) افریقہ کا عامل مرجائے اور وہاں کے لوگ ایک شخص پر اتفاق کرلیں اور وہ شخص ان کو نماز جمعہ پڑھادے تو بالکل درست ہوگا۔ اس لیے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور کئے گئے تھے تو اس وقت مسلمانوں نے حضرت علیؓ پر اتفاق کیا اور انہوں نے نماز جمعہ پڑھائی (اور کسی نے آج تک اس کو ناجائز نہیں کہا) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ خلیفہ جو کسی کو نامزد کرتا ہے تو مسلمانوں کے فوائد کو از خود غور کر کے مقرر کرتا ہے پس (بحالت مجبوری) جب مسلمانوں نے اپنے فوائد کا خود لحاظ کیا اور ایک شخص پر خود متفق ہوگئے تو یہ اس بات کے قائم مقام ہوگا کہ خلیفہ نے خود اس کو مقرر کیا۔''

دوسری دلیل کو بغور دیکھنے سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ یہ دلیل باعتبار مناط حکم کے بالکل صحیح ہے۔ اور احادیث سے بھی اس کی صحت ثابت ہے۔ اگرچہ مبسوط میں مسئلہ امامت جمعہ کی بحث میں یہ مذکور ہے۔ مگر جو دلیل اور حجت ہے وہ تمام امور کو محیط ہے اور چوں کہ میں نے ابھی یہ کہا ہے کہ دلیل درست ہے اور بالکل صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ اس حدیث کو بھی بیان کردوں۔

عن أنس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أخذ الرایة زیدٌ فأُصیب ثم أخذها جعفر فأصیب ثم أخذها عبداللّٰہ بن رواحة فأصیب وان عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتذرفان ثم أخذها خالد بن ولید من غیر امرة ففتح له (بخاری شریف جلد اول، ص:۱۶۷، مطبوعہ ہند)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رایت (علم امیر الجیش) کو زید بن حارث نے لیا۔ پس وہ شہید ہو گئے پھر اس علم کو حضرت جعفر نے لیا۔ وہ بھی شہید ہو گئے پھر اس علم کو عبداللہ بن رواحہ نے لیا۔ وہ (بھی) شہید ہو گئے (اس واقعہ کو جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے) آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر اس علم کو حضرت خالد بن ولید نے لیا حالاں کہ (دربار رسالت سے) امیر نہیں بنائے گئے تھے پس ان کو فتح حاصل ہوئی۔

یہ روایت بخاری شریف کے متعدد ابواب میں مروی ہے۔ مثلاً کتاب الجنائز، کتاب الجہاد، کتاب المغازی۔ لیکن ہر جگہ نہایت مختصر طور سے مروی ہوئی ہے جس واقعہ کا ذکر اس روایت میں ہے۔ وہ غزوہ موتہ کا واقعہ ہے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام کی طرف فوج روانہ کرنے لگے تو آپ نے اس اسلامی فوج کے لیے تین شخصوں کو علی الترتیب امیر الجیش مقرر کیا۔ اول زید بن حارثہؓ کو اور یہ فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو پھر حضرت جعفرؓ امیر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ پھر واقعہ بھی یوں ہی ہوا۔ کہ تینوں حضرات اسی ترتیب سے امیر ہوئے اور شہید ہوئے۔ آخر فوج بغیر امیر کے رہ گئی۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھے کو نامزد نہیں فرمایا تھا۔ پس جب حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے تو علم امیر الجیش کو ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں لیا اور تمام قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب لوگ متفق ہو کر ایک شخص کو امیر بنالیں بہت سے لوگوں نے کہا کہ آپ امیر بنئے، انہوں نے انکار کیا آخر پھر تمام لوگوں نے بالاتفاق خالد بن ولیدؓ کو امیر بنایا اور انہوں نے امیر بن کر قتال (یعنی جہاد) کیا یہاں تک کہ اللہ پاک نے ان کی سیادت میں مسلمانوں کو فتح دی۔ یہ تحقیق کتب سیر کے علاوہ فتح الباری، ۳۹۳ تا ۳۹۴ میں

مع اسناد کے مذکور ہے۔

الحاصل یہ جنگ شام میں ہو رہی تھی اور وہاں ان اکابر صحابہ کی شہادت ہوئی جس کے بعد حضرت خالد بن ولید محض اتفاقاً امیر ہوئے۔ کیوں کہ مدینہ منورہ ابھی تک کوئی قاصد نہیں آیا تھا ہاں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلع کر دیا تھا۔ اسی اطلاع پر آپ یہ اندوہناک واقعہ بیان کرتے جاتے تھے اور اکابر صحابہ کی شہادت پر بمقتضائے فطرت انتہاء غم سے آنسو بہا رہے تھے اور آنحضرت روحی فداہ کا اہل مدینہ کو بغیر ظاہری اسباب کے واقعۂ شام کی اطلاع دینی قبیل معجزات سے ہے۔ نیز جب اسلامی فوج شام سے واپس آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کی اس کارروائی کو ناجائز نہیں فرمایا اور نہ کراہت ظاہر فرمائی بلکہ اس کو پسند فرمایا اور خوش ہوئے۔ اس اعتبار سے قوم کی اس کارروائی کی تصویب من جانب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئی جس کو باصطلاح محدثین سنت تقریری کہتے ہیں۔

حضرات! یہ حدیث بہت سے مسائل کے لیے اصل اور دلیل ہے۔ یہی وہ حدیث ہے جس سے ائمہ عظام اور فقہائے کرام نے قضاۃ عمال وغیرہ کی تقرری بالتعلیق کو جائز لکھا ہے۔ یہی حدیث اس مسئلہ کے لیے ماخذ ہے۔ اسی حدیث سے امام طحاوی نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ جب امام غائب ہو (یعنی کہیں گیا ہوا اور موجود نہ ہو) تو قوم پر واجب ہے کہ ایک شخص کو امام اس وقت تک کے لیے بنالے جب تک امام واپس نہ آئے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

قال الطحاوی هذا أصل یؤخذ منه أن علی غاب الإمام یقوم مقامه إلی أن یحضر. (فتح الباری جلد:۷ ص:۳۹۵)

''امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث اصل اور بنیاد ہے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جب امام غائب ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی ایک شخص کو اس کے قائم مقام ہونے کے لیے منتخب کر لیں یہاں تک کہ وہ آ جائے۔''

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ایک اور اہم مسئلہ مستنبط کیا ہے جو تمام امور کو جامع ہے۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

وفيه جواز تولى أمر القوم من غير تولية إذاخاف ضياعه وحصول الفساد بتركه. (عمدۃ القاری جلد:۴،ص:۲۷)

اس حدیث (یعنی حدیث مذکور) میں اس امر کا جواز ثابت ہے کہ قوم کے کاموں کا ولی ہونا چاہئے (اگرچہ خلیفہ یا قائم مقام خلیفہ کی طرف سے ولی نہ بنایا گیا ہو) جب قومی کام کے ضائع ہونے کا خوف ہو۔اور چھوڑ دینے میں فساد کے ہونے کا اندیشہ ہو۔"

حدیث مذکور الصدر جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اس میں چوں کہ لفظ **من غیر امرة** وارد ہے۔اور اسی لفظ کے اعتبار سے امام بخاری نے کتاب الجہاد میں اس حدیث کے لیے ایک باب باندھا ہے۔"**باب من تأمر فی الحرب من غیر امرة**"جس میں بہت ممکن ہے کہ لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ خود بہ خود امیر بن جانا جائز ہے حالاں کہ یہ نہ واقعہ ہے اور نہ یہ درست ہے۔ بلکہ قوم کی رضامندی ضروری چیز ہے۔

حضرت خالدؓ کے متعلق جو لفظ من غیر امرة آیا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر نہیں بنایا تھا بلکہ قوم نے بنایا تھا۔جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ اور یہ تفصیل بروایت صحیحہ ثابت ہے۔جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے **فأخذها خالد بن ولید من غیر امرة** کی شرح میں لکھا ہے۔

والمراد نفی کونه کان منصوصاً علیه وإلافقد ثبت أنهم اتفقوا علیه (فتح الباری جلد:۷،ص:۳۹۴)

من غیر امرة سے مقصود یہ ہے کہ حضرت خالد کی امارت منصوص علیہ نہ تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر نہیں بنایا تھا جس طرح ان تین اصحاب کو امیر بنایا تھا۔اگر یہ مطلب صحیح نہ ہو تو صحیح نہ ہوگا کیوں کہ (صحیح روایت سے) ثابت ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ قوم نے ان کی امارت پر اتفاق کیا تھا۔

بعض لوگوں نے بخاری شریف کے صرف لفظ کو دیکھا اور زیادہ تحقیق نہیں کی اس لیے ان کو دھوکا ہوا اور یہ سمجھے کہ حضرت خالدؓ از خود امیر بن گئے۔

اور اس لیے ان لوگوں نے یہ مسئلہ بھی استنباط کیا کہ کوئی شخص از خود بھی والی اور امیر بن

سکتا ہے۔بشرطیکہ وہی شخص باعتبار صلاحیت وحالات کے متعین ہو۔مگر یہ نہ کلیتہً درست ہے اور نہ اس حدیث سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔چناں چہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

قال ابن المنیر یوخذ من حدیث الباب أن من تعین لولایة وتعذرت مراجعة الإمام أن الولایة تثبت لذلک المعین شرعا وتجب طاعته حکما. کذا قال ولایخفی أن محله ما إذا اتفق ا لحاضرون (فتح الباری جلد:۶ص:۱۲۵)

"ابن المنیر نے کہا کہ اس حدیث سے جو باب میں مذکور ہے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جو شخص ولایت کے لیے (فی نفسہ) متعین ہو جائے اور خلیفۃ المسلمین کی طرف رجوع ہونے سے معذوری ہو تو اس صورت میں ولایت اس شخص معین کی شرعاً ثابت ہو جائے گی اور بحکم شرع اس کی فرمانبرداری واجب ہوگی (لیکن ابن حجر کہتے ہیں) کہ پوشیدہ نہ رہے کہ صحت اس وقت ہوگی جب قوم موجود بھی اس پر اتفاق کرلیں۔"

یہ حدیث بخاری جس طرح اس مسئلہ کے لیے اصل ہے کہ وقت ضرورت اور مذہبی مفاد کے لیے قوم کو کسی ایک شخص کو امیر بنالینا چاہئے اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی اجازت کے بغیر بھی قوم امیر بنا سکتی ہے۔ بلکہ جب خلیفۃ المسلمین سے اجازت لینا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو قوم کو ضرور بنانا چاہئے۔اور پھر اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شرعاً حکماً اس امیر کا وہی مرتبہ ہوگا جو اس امیر کا جس کو خود خلیفہ نے مقرر کیا ہو کیوں کہ حضرت خالد بن ولید قوم کے انتخاب سے بغیر حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بحالت مجبوری) امیر ہوئے تھے اور صحابۂ کرام نے جن پر وہ امیر ہوئے تھے سب نے اسی طرح اطاعت اور فرمانبرداری حضرت خالدؓ کی تھی۔جس طرح ان امراء کی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے ساتھ رضامندی ظاہر فرما کر اس کی اجازت امت کو دی۔

پس ان حالات میں اب شک کرنے کی گنجائش نہ رہی کہ والی اور امیر جو قوم کا منتخب کیا ہوا ہو اور جتنے حلقہ اور جتنی آبادی کے لیے منجانب قوم مقرر کیا گیا ہو اس کو منجانب شریعت ولایت شرعیہ حاصل ہوتی ہے۔

اور جس طرح والی مقرر کردۂ خلیفہ مذہبی اور قومی کاموں کو انجام دیتا ہے اور نظم کرتا ہے والی مقرر کردۂ قوم کو بھی ان تمام کاموں کو حسب استطاعت انجام دینا چاہئے۔

مگر اس ملک میں چوں کہ انگریزوں کی حکومت ہے۔ اس لیے بہت سے احکام کے اجراء میں اور بہت سے فرائض کے انجام دینے میں حکومت مزاحمت کرسکتی ہے۔ اس مجبوری سے بہت سے امور کا وہ انتظام نہیں کرسکتا ہے۔ لیکن جن امور کی انجام دہی میں حکومتِ کافرہ مزاحم نہیں ہوسکتی ہے امیر شریعت کا فرض ہے کہ ان سب کو انجام دے۔ مثلاً قضاۃ کا مقرر کرنا، صغار وایتام جن کا کوئی والی نہ ہو ان کا نکاح پڑھانا، زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنا، تبلیغ واشاعتِ دین کا نظم کرنا۔

چناں چہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ کا فتویٰ جو میں بیان کرچکا ہوں۔ اس کو دیکھو۔ انہوں نے چند احکام بیان کرکے یہ اشارہ کردیا ہے کہ ہندستان کے ولاۃ کس قسم کے خدمات انجام دیں۔ اور آخر میں انہوں نے صاف طریقہ سے واضح کردیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کافرہ کے ملکی کاموں میں والی کو دخل نہ دینا چاہئے۔ یعنی اس کے سوا جتنے کام قومی وشرعی اسلامی نقطۂ نظر سے ہوسکتے ہیں سب انجام دینا چاہئے۔ ان احکام کے بیان نے واضح کردیا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک اس والی کا وہی منصب ہوگا جو والی من الخلیفہ کا ہوتا ہے اور اس فتوے سے بھی اس کی تصویب ثابت ہوئی جو مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی سے میں نے بیان کیا ہے۔

ان علمائے ہند کے فتووں کے علاوہ خود فقہائے حنفیہ کے اقوال سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس حکومت کافرہ کے ماتحت ممالک میں جو والی مقرر کرنے کو فقہاء کرام واجب لکھتے ہیں تو اس مسئلہ کو کتاب القضاء میں لکھتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس والی کو قاضی مقرر کرنا چاہئے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص واحد یہ کام اس وقت کرسکتا ہے جب کہ وہ حقیقی والی ہو اور اس کو ولایت شرعیہ حاصل ہوگئی ہو۔

اور اس قسم کے والی کا فریضہ تقلید قضا بیان کرنا یہ دلیل ہے کہ وہ شرعاً وحکماً والی ہے اور تمام وہ فرائض جو والی کے ہوسکتے ہیں سب اس کو حاصل ہیں۔

اسی طرح اگر والی قوم نے منتخب نہ کیا ہو لیکن قوم نے مشورہ کرکے کسی شخص کو قاضی مقرر کرلیا تاکہ وہ ان کے قضایا وغیرہ کا فیصلہ کرے تو وہ شرعاً قاضی ہوگا اور ان حالات میں شرعاً جن کاموں کی استطاعت قاضی کو ہوگی قاضی اس کو انجام دے گا اور اس کا انجام دینا درست ہوگا۔ کیوں کہ جو دواعی تقرر قضاۃ کے موجودہ حالت میں ہیں وہ قضاۃ شرعی کو چاہتے ہیں۔ اس لیے فقہائے کرام نے اس بحث کو اصالتہً کتاب القضا میں لکھا ہے نہ کہ باب تحکیم میں اور فقہائے کرام کی تصریحات بھی اسی کی شاہد ہیں۔ مثلاً "**یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین.**" کیوں کہ جب والی نہیں ہے اور نہ خلیفۃ المسلمین اور نہ ان کا قائم مقام موجود ہے تو حسب منشا حدیث بخاری شریف بروایت انس ابن مالک مسلمانوں کو خود اپنے نظم کار کے لیے قاضی بنانا چاہئے۔

اور جتنے حلقہ کے لیے وہ قاضی مقرر ہوا اس کے لیے وہ شرعاً وحکماً قاضی ہوا نہ کہ حکم۔ کیوں کہ حکم صرف ایک امر کے لیے ہوتا ہے اور وہ بھی صرف بین الخصمین۔ ایسی حالت میں حکم کا بتراضی المسلمین ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟

حاصل کلام یہ ہے کہ قوم مسلم کے ارباب حل وعقد جس شخص کو ولایت شرعیہ میں سے جس ولایت کے لیے اور جتنے حلقہ کے لیے متفق ہوکر منتخب کریں گے اور اس کی اطاعت فی المعروف کرنے کی بیعت کریں گے اس شخص کو ولایت شرعیہ حاصل ہوگی۔ نصوص اور اصول شرعیہ نیز نظائر وامثال مسائل اسلامیہ اسی کے شواہد ہیں اور اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اگر حکومت کافرہ کے زیر نگیں ممالک میں قوم کے منتخب کردہ ولاۃ امور اور قضاۃ کو حکم کے درجہ میں رکھا جائے تو اس قسم کے ممالک کے ساتھ اس کو کیا خصوصیت ہے کیوں کہ بلاد اسلامیہ ماتحت خلیفۃ المسلمین کے اندر جہاں خلیفہ کے ولاۃ وقضاۃ موجود ہوں وہاں بھی بین الفریقین حکم ہوسکتا ہے اور ہمیشہ سے جائز ہے اور تمام کتب کے باب تحکیم میں یہ مسئلہ بصراحت مذکور ہے۔

پھر کتاب القضاء میں حکومت کافرہ قائم ہوجانے کی وجہ سے اور حکومت اسلامیہ زائل

ہوجانے کی وجہ سے ولاۃ وقضاۃ کے قیام کو واجب قرار دینا اور اس کو شرعاً محض حکم کے درجہ میں رکھنا چہ معنی دارد۔؟

حضرات! منصب امیر الشریعۃ اور اس کے فرائض کے متعلق جتنے دلائل وشواہد میں نے بیان کئے ہیں مجھے یقین ہے کہ ہر ذی علم کی طمانیت قلب کے لیے کافی ہیں۔ اور اللہ پاک نے جس شخص کو بصیرت فی الدین اور تفقہ فی الاسلام کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات بھی اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ اس لیے اس بحث کو ختم کرتے ہوئے امیر شریعت کے ایک اہم فریضہ کے متعلق ایک حدیث اور بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

أحسنوا إذا وليتم واعفوا عما ملكتم. رواه دارمي عن أبي سعيد الخدريؓ (سراج المنیر جلد اول: ص:۱۶)

جب تم والی ہو جاؤ (عام ازیں کہ خلیفہ نے بنایا ہو یا قوم نے) تو احسان سے پیش آؤ (اور تمام کاموں کو بحسن وخوبی انجام دو) اور جن کے تم مالک بنو (یعنی جو لوگ تمہارے ماتحت ہوں) ان کے ساتھ عفو سے پیش آؤ۔

اس حدیث میں والی کو احسان اور عفو کا حکم ہے۔ والی کا فریضہ ہے کہ اس کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور نہایت دانائی کے ساتھ اصول شریعت کے مطابق کام کرے۔

عوام کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ والی اور امیر میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں لفظ شرعی ہیں۔ لغتہً وشرعاً دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

قال العلقمي الولاية هي الإمارة فكل من ولي أمرا أو قام به فهو مولاه وواليه. (سراج المنیر جلد اول)

علامہ علقمی نے کہا کہ ولایت عین امارت ہے پس جو شخص کسی امر کا ولی ہو اور اس کام کو انجام دے تو وہ شخص اس کام کا مولیٰ اور ولی ہوگا۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: **والولاية تولي الأمر وقيل الولاية والولاية نحو الدَّلالة والدَّلالة و حقيقته تولي الأمر.** (مفردات راغب)

یعنی ولایت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کام کا مالک ہونا۔ اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وِلایت اور وَلایت ایسے ہی ہیں دَلالت اور دِلالت اور اس کے حقیقی معنی کام کا مالک ہونا ہے۔

پس جس کو قوم اپنے مذہبی اور قومی کام کی انجام دہی کے لیے انتخاب کرے اور اس کی اطاعت کا عہد کرے وہی والی بھی ہوا اور امیر بھی۔ جس لفظ سے تعبیر کرو شرعاً درست ہے۔

اور والی وامیر کو چاہئے کہ جب وہ امور مسلمین کا مالک ہوا تو اپنے فرائض کی انجام دہی میں غفلت نہ کرے ورنہ عند اللہ سخت جواب دہ ہوگا۔

امت کا فریضہ

حضرات! جس طرح مذہبی اور قومی کاموں کا انضباط وانصرام جس حد تک اس ملک میں بحالت موجودہ ہوسکتا ہے۔ امیر پر فرض ہے کہ اس کی انجام دہی میں سرگرم رہے۔ اسی طرح حدود امیر کے اندر قوم کے جتنے افراد ہیں ان کا فرض ہے کہ امیر کی اطاعت وفرماں برداری کریں اور ان تمام حکموں کو اس کے تسلیم کریں جو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوں۔ خلاصہ یہ کہ گناہ اور معصیت کے سوا تمام امور میں امیر کی اطاعت کرنی چاہئے اور اس کی باتوں کو ماننا چاہئے۔ کیوں کہ امیر کی اطاعت واجب ہے اور اطاعت نہ کرنی اور اس کی باتوں کو نہ ماننا گناہ ہے اور یہ مسئلہ کتاب اور سنت سے نصاً ثابت ہے اور شریعت اسلامیہ نے سمع وطاعت کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ عوام کی واقفیت کے لیے بعض آیات اور احادیث کو میں اس وقت لکھتا ہوں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (نساء:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں اولی الامر ہیں۔

اس آیت میں صریح نص ہے کہ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے صیغۂ جمع سے اس کو بیان فرمایا ہے تاکہ اولی الامر کے تمام انواع کو شامل ہو جائے اور اولی الامر کے تمام مراتب کو یہ حکم محیط ہو جائے۔ جس طرح یہ آیت خلیفۃ المسلمین کی اطاعت کو فرض کرتی ہے۔ اسی طرح صوبہ اور ضلع کے مسلم ولاۃ کی اطاعت کو فرض کرتی ہے اور اسی طرح امراء جیش کی

اطاعت کوفرض کرتی ہےاور ہراولی الامر میں یہ تعمیم ہے کہ وہ لوگ خلیفہ کے مقرر کردہ ہوں یا عام مسلمانوں کے مقرر کردہ ہوں اور تمام احادیث وآثار سے اس حکم کی عمومیت کی تشریح ہوتی ہے۔اسی لیے مفسرین اور محدثین اور فقہانے ہر قسم کے ولاۃ امور کی اطاعت واجب لکھی ہے۔ چناں چہ سراج المنیر شرح جامع الصغیر میں لکھا ہے:

قال العلقمی قال القاضی عیاض وغیرہ أجمع العلماء علی وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وعلی تحریمها فی المعصیة لقول اللّٰه تعالی أطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم. قال العلماء المراد باولی الامر من أوجب اللّٰه طاعته من الولاة والأمراء هذا قول جماهیر السلف والخلف من المفسرین والفقهاء وغیرهم. (سراج المنیر جلداول:ص،۲۰۵)

''علامہ علقمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس امر پر علماء نے اجماع کیا ہے کہ تمام امراء کی (جن کی امارت من جہۃ الشریعت ثابت ہو) اطاعت کرنی واجب ہے۔ان امور میں جو گناہ کی بات نہ ہو اور اس پر بھی اجماع ہے کہ گناہ کی بات میں امیر کی اطاعت حرام ہے۔بسبب فرمانے اللہ تعالیٰ کہ **أطیعوا اللّٰه وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم** اور علماء نے فرمایا ہے کہ اولی الامر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ نے واجب بتایا ہے اور وہ لوگ ولاۃ اور (امراء شریعت) ہیں۔اور یہ قول جمہور مفسرین اور فقہاء اور دیگر اسلامی طبقوں کا ہے۔''

اس نص قرآنی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاۃ امور امراء امور کے سمع وطاعت کی نہایت سخت تاکید فرمائی ہے اور طاعت کرنے پر جنت کی بشارتیں بھی آپ نے دی ہیں۔چناں چہ حدیث شریف میں ہے۔

وأطیعوا إذا أمرکم تدخلوا جنة ربکم (عن ابی امامۃ الجامع الصغیر)

''تم لوگ اپنے صاحب امر یعنی امیر کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔''

عن عبداللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال السمع والطاعة علی المرء المسلم فیماأحب وکره ما لم یؤمر بمعصیة فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولاطاعة.

(بخاری شریف جلد ثانی:ص:۱۰۵۷)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مرد مسلم پر سمع وطاعت واجب ہے چاہے اس کے نفس کے لیے امر مرغوب ہو یا اس کے نفس پر بار ہو لیکن شرط یہ ہے کہ گناہ ومعصیت کا حکم نہ دیا جاتا ہو اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر (اس وقت معصیت کے امر میں) نہ سمع ہے نہ طاعت۔''

عن مسلم بن عامر قال سمعت أبا أمامة یقول رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یخطب فی حجة الوداع فقال اتقوا اللّٰه وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم وأدّوا زکٰوة أموالکم وأطیعوا إذا أُمرتم تدخلوا جنة ربکم. (رواہ الترمذی)

''مسلم بن عامر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔پس آپ نے فرمایا کہ (مسلمانو) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور پانچوں وقتوں کی نمازیں پڑھا کرو اور ماہ رمضان میں روزہ رکھا کرو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور جب تم کسی کو امیر بناؤ تو اطاعت وفرمانبرداری کیا کرو۔نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔''

اس حدیث میں صریح حکم ہے کہ جب تم کسی کو امیر بناؤ تو اس کی اطاعت تم پر واجب ہے۔یہ حدیث باعتبار عبارۃ النص تو قوم کے بنائے ہوئے امیر کی اطاعت کو واجب کرتی ہے اور باعتبار دلالۃ النص یہ حدیث اس پر بھی دال ہے کہ خود قوم کا امیر بنانا جائز ہے۔

اور یہ امیر اگرچہ تمام قوم سے بعض وجوہ کے اعتبار سے اشرف نہ ہو، جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعت ہی کا حکم دیا ہے۔چناں چہ بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اسمعوا وأطیعوا و إن استعمل علیکم عبد حبشی کأن رأسه زبیبة. (بخاری شریف کتاب الاحکام)

''حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایسے حبشی غلام کو حکم بنایا گیا ہو جس کا

سرگویا بمنزلہ کشمش کے ہو۔یعنی سر چھوٹا ہو۔بظاہر ذلیل معلوم ہوتا ہو۔"

بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہا گیا اور حکم دیا گیا ہے کہ اگر امیر کے ذاتی افعال قابل کراہت ہوں اور تمہارے نزدیک ان کے حرکات نہایت بُرے ہوں۔اس وقت بھی طاعت فی المعروف تم کو کرنی چاہئے اور ایسی صورت میں بھی اس کی اطاعت سے خروج نہیں کرنا چاہئے۔ کیوں کہ اگر نہ کیا گیا تو اسلامی نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے۔اس لیے باوجود استکراہ کے عدم اطاعت فی المعروف کو خروج عن الجماعت قرار دیا گیا ہے۔

کیوں کہ شرعاً جماعت اسی کا نام ہے کہ جس میں شخص واحد کو والی اور امیر بنایا گیا ہے اور سب لوگ اس کی اطاعت کی بیعت کر چکے ہیں۔اس وقت اس والی کی اطاعت سے باہر ہونا شرعاً خروج عن الجماعت ہے جو بدترین معصیت ہے۔چناں چہ بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس یرویه قال قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من رأی من أمیره شیئاً فکرهه فلیصبر فإنه لیس أحد یفارق الجماعة شبرا فیموت إلامات میتة جاهلیة. (بخاری شریف کتاب الاحکام)

"حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امیر سے کسی ایسے کام کو دیکھے جس کو وہ بُرا سمجھتا ہو (یعنی غیر مشروع جانتا ہو) تو چاہئے کہ صبر کرے (اور طاعت فی المعروف سے انکار نہ کرے) کیوں کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی (یعنی تھوڑا بھی) جدا ہو گیا اور مر گیا تو جاہلیت کی موت کی طرح مرا۔"

اللہ اللہ! دیکھو شریعت اسلامیہ نے نظام اسلام کی بقا و تحفظ کے لیے کس قدر زبردست اصول قرار دیا ہے۔اس سے بہتر کوئی نظم نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کے الفاظ میں غور کرو۔یہ حکم خلیفۃ المسلمین کی بابت خاص نہیں ہے بلکہ تمام ولاۃ امور کی بابت یہ حکم ہے۔اور اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی جماعت کس شئے کا نام ہے۔حدیث نے بتایا کہ امیر کی اطاعت سے خروج کرنا جماعت سے خروج کرنا ہے۔ گویا مسلمانوں کی جماعت اس وقت تک جماعت نہیں ہے جب تک ان کا کوئی امیر نہ ہو۔چناں چہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

قال الطبری والصواب أن المراد فی الخبر لزوم الجماعة الذین فی طاعة من اجتمعوا علی تأمیره فمن نکث بیعته خرج عن الجماعة. (فتح الباری: جلد ۱۳ ص:۳۱)

"طبری نے کہا ہے کہ صواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو لزوم جماعت کا حکم ہے اس سے مراد لازم پکڑنا اس جماعت کا ہے جو کہ فرمانبردار ہو۔اس شخص کے کہ جس کے امیر بنانے پر لوگوں نے اتفاق کر لیا ہو (یعنی جن لوگوں نے باتفاق کسی کو امیر بنایا ہو انہیں لوگوں میں شامل رہنا چاہئے) پس جس شخص نے بیعت کو توڑ دیا وہ جماعت سے خارج ہو گیا۔"

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جماعت سے جو خارج ہوا اور مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی ہوگی۔تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ کافر ہو گیا بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ گناہ گار مرا۔چناں چہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والمراد بالمیتة الجاهلیة وهی بکسر المیم حالة الموت کموت أهل الجاهلیة علی ضلال ولیس له إمام مطاع لأنهم کانوا لا یعرفون ذلک ولیس المراد أنه یموت کافرا بل یموت عاصیا. (فتح الباری جلد:۱۳ ص:۵)

"میتۃ جاہلیۃ جو بکسر میم ہے اس سے مراد حالت موت ہے۔یعنی مثل موت اہل جاہلیت کے (یعنی قبل زمانہ عہد رسالت محمدیہ کے) ضلالت کے ساتھ اور حال یہ ہو کہ اس کے لیے کوئی امام مطاع نہ ہو کیوں کہ اہل جاہلیت (قبل اسلام) امامت و امارت کو نہیں جانتے تھے (اور کوئی باضابطہ ان کا امیر نہیں ہوتا تھا) اور یہ مراد نہیں ہے کہ کافر مرا۔بلکہ مراد یہ ہے کہ گناہ گار مرا۔"

خلاصہ مرام یہ ہے کہ قوم مسلم کا فرض ہے کہ جب امیر منتخب ہو جائے اور امارت قائم ہو جائے تو امیر کی اطاعت کرے اور اس کی حق باتوں کو تسلیم کرے اور اگر گناہ و معصیت کا حکم دے تو اس امر میں ہرگز اطاعت نہ کرے۔کیوں کہ " **لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق وإنما الطاعة فی المعروف**" حکم شریعت ہے۔اور اگر خدانخواستہ کوئی امیر خلاف شریعت کام کرے تو اس وقت بھی مقاصد اسلام اور نظام اسلامی کے بقا اور حفاظت کے لیے اطاعت فی المعروف سے باہر نہ جانا چاہئے۔اور کسی حالت میں تفریق جماعت نہ کرنی

چاہئے۔ کیوں کہ یہ خود بدترین معصیت ہے۔ سوا اس کے کہ امیر سے کفر صریح کا ارتکاب ہو اور اس کے کفر پر عندالقوم برہان من اللہ ہو اور اس طرح پر کفر ثابت ہو جس کی کوئی تاویل صحیح ممکن نہ ہو۔ تو بیشک اس وقت اس کی اطاعت سے خروج کرنا چاہئے۔ اور اس حال میں ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا شخص مسلمانوں کا امام اور والی نہیں رہ سکتا ہے۔ بخاری شریف میں بروایت حضرت عبادہ بن صامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان موجود ہے اور حافظ ابن حجرؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

وتقدم البحث فی هٰذالکلام علی حدیث عبادة فی الأمر بالسمع والطاعة إلا أن تروا کفرا بواحا مما یغنی عن اعادته وهو فی کتاب الفتن وملخصه أنه ینعزل بالکفر إجماعاً. فیجب علی کل مسلم القیام فی ذالک فمن قوی علی ذلک فله الثواب و من داهن فعلیه الإثم ومن عجز وجبت علیه الهجرة عن تلک الأرض. (فتح الباری جلد:۱۳ص:۲۰۹)

''حضرت عبادہ بن صامت کی اس حدیث پر کہ امیر کی سمع وطاعت واجب ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ تم صریح کفر دیکھو۔ تو اس پر پوری بحث ہو چکی ہے۔ جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور وہ کتاب الفتن میں مذکور ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام اور امیر سے صریح کفر کا ظہور ہو تو ہر مسلم پر واجب ہے کہ اس کے عزل (یعنی حکومت کافرہ کے ازالہ کے لیے آمادہ ہو جائے) پس جو شخص اس کے لیے تیار ہوا اس کے لیے ثواب ہے اور جس نے مداہنت کی (اور کافر حاکم کی اطاعت پر راضی ہو کر چپ ہو گیا) اس پر گناہ ہوگا۔ اور جو شخص بالکل عاجز اور مجبور ہے اس پر واجب ہے کہ اس ملک سے ہجرت کر جائے۔''

ہر مسلمان کو چاہئے کہ شریعت کے ان اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ اور اہم مقاصد کے لیے اس سے کمتر مقاصد کو نظر انداز کرے اور جماعتی اور جمہوری مقاصد کے آگے شخصی اغراض ومقاصد کو پس پشت ڈال دے۔

امیر شریعت کی طاقت

علمائے کرام واعیان ملت! ان تمام مباحث کے بعد ایک ضروری امر کی طرف آپ حضرات کی توجہ کو منعطف کرانا چاہتا ہوں۔

اور وہ یہ ہے کہ جب حکومت غیر مسلمہ مسلط ہے اور اس کی حکومت قائم ہے اور مسلمانانِ ہند اس کے محکوم ہیں ایسی صورت میں امیر شریعت کی کیا طاقت ہوگی جس کی وجہ سے وہ اپنے احکام مطابق شریعت جاری اور نافذ کرے گا۔

تو اس کی بابت مجھے یہ کہنا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مادی طاقت گھوڑا اور اسلحہ وغیرہ تیار رکھیں اور اس کی سخت تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ. (انفال:۶۰)

''مسلمانو! جس قدر تمہاری استطاعت میں ہو قوت مہیا رکھو اور گھوڑے باندھو، تاکہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور دوسرے (مخفی دشمنوں کو بھی ڈراؤ) جن کو تم نہیں جانتے ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔''

اور احادیث میں بھی اس کے متعلق تاکیدیں اور بشارتیں ہیں۔ اس لیے یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ کیا اسلام میں امارت اور ولایت جیسا کہ خلافت کے لیے بھی مادی طاقت بمنزلہ لازم ماہیت ہے کہ کسی حال میں بغیر ایسی مادی طاقت یعنی باضابطہ فوج باضابطہ پولیس توپ بندوق وغیرہ کے اجتماع کے خلافت کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں جس نے کلام مجید کے احکام اور اسلام کے ابتدائی دور حتی کہ عہد خلافت صدیقی تک کے واقعات کو بغور پڑھا ہے وہ یقیناً یہ کہے گا کہ یہ چیزیں ہرگز امارت اور ولایت کے لیے بمنزلہ لازم ماہیت نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ خود عہد رسالت میں بعض بعض صوبوں میں ولاۃ مقرر ہو کر جاتے تھے مگر ان کے حیطۂ اقتدار میں کوئی مادی طاقت باضابطہ

پولیس اور فوج نہیں ہوتی تھی۔ پھر عہد صدیقی میں بھی باضابطہ اس کا نظم نہ تھا بلکہ ان چیزوں کا باضابطہ نظم خلافت فاروقی سے شروع ہوا۔ پس اگر مادی طاقت کسی حد تک بھی لازم ماہیت ولایت قرار دی جائے تو یہ کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصالتہً یہ چیز ضروری نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ جب تک مادی طاقت نہ ہو اس وقت تک امارت وولایت کی بنیاد نہ قائم ہونی چاہئے یہ خیال کرنا سراسر غلط ہے۔

ملی اتحاد اور سمع وطاعت

مسلمانوں کی اصل قوت

بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اسلام کی اصلی طاقت مسلمانوں کا ایک شخص واحد پر متفق ہوجانا اور امر بالمعروف اور نیک کام میں اس کی اطاعت کرنا اور اس کی اطاعت کو فرض سمجھ کر اپنے تمام ذاتی اغراض ومقاصد پر اس کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم عمل رہنا۔

دراصل یہی صحیح اور اصلی طاقت ہے اور اسی طاقت کا نتیجہ اور ثمرہ مادی طاقتوں کا وجود ہے۔ تاریخ اسلام کو بغور پڑھئے۔ یہی نتیجہ برآمد ہوگا۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی اس طاقت کو قوی کریں اور اس کا عملی ثبوت دیں یعنی امیر کے ہر حکم حق کی اطاعت کریں پھر دیکھیں کہ مسلمانوں میں کتنی بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جو کچھ تم چاہتے ہو وہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔

اور حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے اوپر ولاۃ اور امراء کے احکام کو نافذ کرانے والی جو طاقت ہے وہ ایمان باللہ اور ایمان بکتاب اللہ اور ایمان بالرسول اور باحکام الرسول ہے۔ اور نظام اسلام کے ابتدائی دور میں یہ دستور تھا اور آج بھی اسی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور بقیہ مادی طاقتوں کی ضرورت ہمیشہ غیروں کے مقابلہ میں رہی ہے۔ تم آیت مذکور الصدر میں خود غور کرو۔ خود اللہ پاک مادی طاقتوں کے جمع کرنے کی حکمت اور مصلحت یہ بیان فرماتا ہے کہ تمہارے

اور اللہ کے دشمن ڈریں۔ جس سے کفار مراد ہیں۔

پس حقیقتاً مادی طاقتوں کی ضرورت مسلمانوں کو کفار کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے غیر مشروع ہونے اور شریعت پر عمل نہ کرنے اور فسق وفجور میں مبتلا رہنے کے باعث بھی کبھی اس کی ضرورت ہوسکتی ہے کہ مادی طاقت کے ذریعہ ان پر احکام نافذ کئے جائیں مگر یہ چیز اصالتاً نہیں ہے بلکہ بالعوارض۔ نیز یہ چیز اولاً نہیں ہے بلکہ ثانیاً۔ اس لیے خلافت اور امارت میں اصل اصول یہ ہے کہ خلیفہ اور والی اور امیر بذریعہ انتخاب ہو اور قوم کی مجموعی طاقت اس کی طاقت ہو جو قوم کے اتباع اور فرماں برداری سے پیدا ہوتی ہے اور کسی شخص کا مادی طاقت کے ذریعہ غالب ہوجانا اور قہر وغلبہ حاصل کرلینا اور اس سے خلافت اور امارت کا متحقق ہوجانا بدرجہ مجبوری اور ضرورتاً ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جب قوم نے کسی شخص کو والی منتخب کیا اور اطاعت کا اقرار کیا تو والی ہوجائے گا۔ اگرچہ اس کے پاس ایسی مادی طاقت نہ ہو جس کے زور سے زبردستی وہ اپنے احکام نافذ کرائے۔ یہی وجہ ہے کہ شرائط قیام خلافت وولایت میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس شخص کو منتخب کیا جائے اس کے پاس تنفیذ احکام کے لیے مادی طاقتیں بالفعل موجود ہوں یا وہ بذاتہ قاہر وغالب ہو۔ کیوں کہ یہ چیزیں تو خود مسلمانوں کے اجتماع واتفاق اور ان کی کوششوں اور منتخب شدہ والی اور امیر کے حسن تدبیر سے پیدا ہوں گی۔

پس فتاویٰ قاضی خاں کی حسب ذیل عبارت سے جس کو دیگر فقہاء نے بھی تبعاً نقل کیا ہے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اور غور کر کے اس کو سمجھ لینا چاہئے۔

''السلطان یصیر سلطانا بأمرین بالمبایعة معهم و یعتبر فی المبایعة مبایعة أشرافهم وأعیانهم. والثانی أن ینفذ حکمه فی رعیته خوفا من قهره وغلبته فإن بایعه الناس ولم ینفذ حکمه بعجزه عن قهرهم لا یصیر سلطانا. وإذا صار سلطانا بالمبایعة فجاز إن کان له قهر وغلبة لاینعزل لأنه لو انعزل یصیر سلطانا بالقهر والغلبة فلا یفید وإن لم یکن قهر وغلبة ینعزل.'' (فتاویٰ قاضی خان فصل فیما یبطل الارتداد)

''پادشاہ اسلام دوطرح پر پادشاہ ہوتا ہے اول قوم کی بیعت سے اور بیعت اشراف واعیان کی معتبر ہے۔دوم یہ کہ اس کا حکم رعایا پر اس کے قہر وغلبہ کے خوف سے نافذ ہو(اور یہ جبریہ حکومت ہوگی) پس اگر لوگ کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اس کا حکم قوم میں اس سبب نافذ نہ ہو کہ وہ ان کو مجبور ومقہور کرنے سے عاجز ہے تو وہ سلطان نہ ہوگا پس جب کوئی شخص قوم کے بیعت کرنے سے سلطان ہوگیا پھر وہ ظلم کرنے لگا اگر اس کو قہر وغلبہ حاصل ہے تو منعزل نہ ہوگا کیوں کہ اگر اس کو منعزل قرار دیا جائے تو قہر وغلبہ کی وجہ سے سلطان بن جاوے گا پس منعزل قرار دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔اور اگر اس کو قہر وغلبہ حاصل نہیں ہے تو منعزل ہوجائے گا۔''

اس عبارت میں پہلے سلطان ہونے کے دوطریقے بیان کئے گئے ہیں ایک اختیاراً اور دوسرا اضطراراً۔یعنی ایک تو یہ ہے کہ قوم مسلم منتخب کر کے کسی کو سلطان بنادے یہ اختیاراً ہوا اور اصل اصول یہی ہے۔دوم یہ کہ کوئی شخص اپنی مادی طاقت کے زور سے قوم پر غالب آ گیا۔اور بادشاہ بن بیٹھا یہ اضطراراً ہوا اور مجبوراً،ایسے مسلم سلطان کو بھی قوم مسلم ضرورتاً سلطان تسلیم کرے گی۔اس دوسری شق کے بعد حرف تعقیب کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ اگر قوم مسلم اس دوسری شق کی حکومت اسلامیہ قائم ہوجانے کے بعد کسی لائق شخص کو منتخب کرے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرے اور یہ شخص ایسا ہے کہ اس کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ اس کے پاس مادی طاقت نہیں ہے جس سے لوگوں کو مجبور کر کے حکم نافذ کرے تو یہ شخص سلطان نہیں ہوگا۔کیوں کہ اسلامی بادشاہ اگرچہ متغلب ہی سہی مگر موجود ہے اور اس وقت احکام اسلام کی حفاظت اور قوم کی حفاظت ہورہی ہے۔اگرچہ قوم کی رضامندی کو اس میں دخل نہیں ہے۔لہٰذا ایسی صورت میں عاجز کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے عاجز پادشاہ نہیں ہوگا۔

پس قاضی خان کی عبارت کا مطلب یہی ہے۔ورنہ اگر یہ مطلب نہ ہو تو پھر اس عبارت کا آخری ٹکڑا صحیح نہیں ہوگا۔اس لیے کہ پھر قاضی خاں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بذریعہ مبایعت سلطان ہوگیا بعدہ وہ ظالم بن گیا تو اب اس سلطان کے سلطان ہونے اور ظالم ہونے کے بعد لکھتے ہیں کہ دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ اس کو قہر وغلبہ حاصل ہے تو وہ ظلم

کرنے سے منعزل نہیں ہوگا کیوں کہ اگر منعزل شمار کیا جائے تو وہ اپنی مادی طاقت وقہر وغلبہ سے بادشاہ بنا رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو قہر وغلبہ نہیں ہے۔یعنی بادشاہ ہونے کے بعد وہ ظالم ہوگیا۔فسق وفجور کرنے لگا مگر اس کو قوم پر غلبہ حاصل نہیں ہے۔یعنی قوم کو مقہور ومجبور نہیں کرسکتا ہے۔تو منعزل ہوجاوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ باوجود عجز بسبب مبایعت پادشاہ ہوگیا۔مگر بعد جور وظلم منعزل ہوگیا۔کیوں کہ انعزال مستلزم ہے کہ پہلے وہ سلطان ہو لے۔ورنہ انعزال کے کوئی معنی نہیں ہیں۔یہ آخری عبارت خود دال ہے کہ اگر سلطان قاہر وغالب نہ ہو بلکہ قہر سے عاجز ہو تو وہ بھی سلطان ہوگا۔

پس اگر قاضی خاں کی عبارت کا وہ مطلب نہ ہو جو ہم نے بیان کیا تو خود عبارت قاضی خاں کی درست نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں تہافت پیدا ہوتا ہے۔

لیکن جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس مطلب کے لینے سے کوئی تعارض نہیں ہوتا ہے اور شریعت کے کسی اصول کے خلاف بھی نہیں ہوتا۔پس قاضی خاں کی عبارت کو اس مطلب پر حمل کرنا چاہئے اور دھوکا نہ کھانا چاہئے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قہر وغلبہ سلطان اسلام کے لیے ابتدا ہی سے لازم ہے اور یہ لازم ماہیت سے ہے اور قاضی خاں کا یہی مطلب ہے کہ اگر لوگوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور بہ سبب عجز کے اس کا حکم نافذ نہ ہوتا ہو تو وہ سلطان نہ ہوا۔

تو چوں کہ ان کے اس قول کی تائید نہ نصوص سے ہوتی ہے بلکہ اسلام کا ابتدائی دور اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔اور نہ دیگر فقہاء اور متکلمین کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اس لیے یہ قول نہ قابل لحاظ ہے نہ قابل افتاء ہے بلکہ تمہید عبدالشکور السالمی کی عبارت اس کے بالکل خلاف ہے۔چناں چہ علامہ عبدالشکور لکھتے ہیں:

وقال بعض الناس بأن الإمام إذالم يكن مطاعاً فإنه لايكون إماماً لأنه إذا لم يكن له القهر والغلبة لايكون إماماً قلنا ليس كذلك لأن طاعة الإمام

فرض علی الناس فلولم یطیعوا الامام فالعصیان حصل منهم وعصیانهم لایضر بالامامة ألاتری أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ماکان مطاعا فی أول الإسلام وکان لایمکنه القهر علی أعدائه من طریق العادة و الکفرة قد تمردوا عن إمداده ونصرة دینه وقد کان هذا لایضر ولا یعزله عن النبوة وکذلک الإمامة لأن الإمام خلیفة النبی لا محالة وکذلک علیؓ ماکان مطاعا من جمیع المسلمین ومع ذالک ماصارمعزولاً فصح ما قلنا لوأن الناس ارتدواعن الإسلام العیاذ باللّٰه فأن الإمام لاینعزل من الإمامة فکذلک فی العصیان.

''بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام جب مطاع نہ ہو (جس کی اطاعت نہ کی گئی ہو) تو وہ امام نہ ہوگا۔اس لیے کہ جب اس کو قہر وغلبہ حاصل نہیں تو وہ امام (امیر) نہیں۔ہم کہتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے اس لیے کہ امام (امیر) کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے۔پس اگر لوگ امام کی اطاعت نہ کریں تو معصیت ان سے سرزد ہوگی اور ان کی معصیت امام کے لیے مضر نہیں۔کیا تم نہیں جانتے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول اسلام میں مطاع نہ تھے۔اور نہ آپ کو عادۃً قہر وغلبہ اپنے دشمنوں پر حاصل تھا۔اور کفار نے سرکشی کی تھی آپ کی امداد اور آپ کے دین کی نصرت سے۔حالاں کہ آپ کو اس سے ضرر نہیں پہنچا۔اور نہ آپ نبوت سے معزول ہوئے۔پس یہی حال امامت وامارت کا ہے۔کیوں کہ امام یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے۔اور اسی طرح علی کرم اللہ وجہہ تمام مسلمانوں کی طرف سے مطاع نہ تھے اور باوجود اس کے آپ معزول نہیں ہوئے اس لیے جو کچھ میں نے کہا وہی صحیح ہے اور اگر لوگ العیاذ باللہ مرتد ہو جائیں۔تو امام امامت سے معزول نہیں ہوگا۔پس ایسے ہی ان کی معصیت ونافرمانی سے معزول نہیں ہوسکتا۔'' (تمہید عبدالشکور السالمی: ص:۱۸۶و۱۸۷)

علامہ موصوف کی تائید نص قرآنی سے ہوتی ہے۔اللہ پاک فرماتا ہے کہ **ما أرسلنا من رسول إلا لیطاع.** میں نے ہر رسول کو صرف اس مقصد سے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔پس جب مقصد بعثت رسل طاعت ہوئی اور ان کی طاعت نہ کی جائے

تو مقصود کے فوت ہونے سے رسول عہدۂ رسالت سے منعزل نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح ان کے ماتحت ولاۃ بھی منعزل نہیں ہوں گے۔یہ بحث تو نفس ایک مسئلہ کی تحقیق کی جہت سے کی گئی۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مادی طاقت کی ضرورت نہیں ہے۔یا مذہب اسلام اس کے مہیا کرنے پر زور نہیں دیتا ہے۔حاشا وکلا یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہئے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عقد ولایت وامارت کے وقت مادی طاقت ہونی چاہئے اور امیر ووالی کو قاہر وغالب ہونا چاہئے تاکہ مسلمانوں پر قہر وغلبہ کے احکام نافذ کرے تو یہ قید وہاں ممکن ہے جو ملک ہر طرح پر دارالاسلام ہے اور کفار کے تسلط سے بالکل آزاد ہے۔نہ کہ ایسے ملک میں جہاں کفار کا تسلط ہو اور اس کا قہر وغلبہ ہو اور چوں کہ ہندستان جیسے ملک میں جہاں کفار کا تسلط ہے۔ان کی حکومت ہے ایسے ملک میں ولایات اور اماراتِ اسلامیہ قائم کرنے کے لیے مسلم والی کے قاہر وغالب ہونے کی ہرگز قید نہیں ہوسکتی ہے۔اور نہ کسی نے ایسا بیان کیا ہے کیوں کہ جب فقہائے کرام وعلمائے عظام یہ تحریر کررہے ہیں کہ جہاں حکومت کافرہ قائم ہوگئی ہو وہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص پر اتفاق کرلیں اور یہ ظاہر ہے کہ حکومت کافرہ کی موجودگی میں کوئی مسلم قاہر وغالب نہیں ہوسکتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں امیر اور والی بنانے کے لیے یہ لحاظ کبھی نہیں ہوسکتا ہے کہ امیر کو قاہر وغالب ہونا چاہئے اور اگر یہ ہوتا تو فقہائے کرام ہرگز ایسے ملک میں والی منتخب کرنے اور محکمہ قضاء کے قیام کو واجب نہیں کہتے۔اور جب فقہائے کرام نے واجب کہا ہے تو یہ لحاظ کرکے کہ یہ بلا قہر وغلبہ ہوگا۔لہٰذا یہاں ابتداءً قہر وغلبہ کی جستجو عبث ہے اور اس کو قیام ولایت وامارت کے لیے شرط ٹھہرانا فضول اور لغو ہے۔

حضرات! ان تمام مباحث سے قطع نظر کرکے میں کہتا ہوں کہ شریعت کا ایک عام اصول ہے'' **الطاعة بقدر الاستطاعة**'' اور فقہائے اسلام نے یہی لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے **لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** . پس اس اصول کے لحاظ سے آپ اسی کے مکلّف ہیں کہ ایک شخص لائق کو منتخب کرکے قیام نظام شرعی کے لیے امیر اور والی بنائیں

اوراس کی اطاعت اور فرماں برداری کریں تا کہ یہاں کی قوم مسلمان ایک باضابطہ امت مسلمہ ہوجائے اور کافر بادشاہ کے ہوتے ہوئے جتنے احکام شرعی کا نظم ونفاذ کرسکتا ہے اس کا مکلّف ہے اوراس پر اسی قدر لازم ہے جو اس کی استطاعت میں ہے۔علامہ ابن تیمیہ کا قول آپ سن چکے کہ انہوں نے قیام قضاء اورامارت کی بحث میں یہ بتادیا ہے کہ جس شخص نے بقدر استطاعت احکام انجام دیئے تو اس پر ان احکام کی ذمہ داری نہیں ہے جس سے وہ عاجز ہے۔

علمائے کرام اوراعیان ملت! یہ تمام مباحث جو میں نے بہ تفصیل بیان کئے یہ وہ ہیں جن کو آپ جانتے ہیں اور آپ نے اس کو پہلے ہی سمجھ لیا تھا اس لیے آپ امارت قائم کرچکے ہیں اور یہ سنت قائم کرکے آپ نے ہندستان کے مسلمانوں کو فلاح و بہبود کے لیے ایک شاہراہ کھول دی ہے۔آپ کے سامنے ان باتوں کے بیان کی ضرورت نہ تھی۔مگر میں نے عام مسلمانوں کی اطلاع کے لیے اتنی وضاحت سے کام لیا ہے تا کہ حقیقت شرعیہ ان کے ذہن نشیں ہوجائے اوران کے سمجھنے کے لیے دوتین باتیں اور کہنا چاہتا ہوں۔

قیام امارت سے وجود جماعت

اور

امت مسلمہ کے لیے طریق نجات

تم فرض کرلو کہ بعد قیام امارت اورانتخاب امیر بہت سے مسلمان تمردی کردیں۔فرامین امیر پر عمل نہ کریں قاضی کے فیصلہ کو بعض متمردین تسلیم نہ کریں مگر تاہم کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے جو اطاعت کریں گے۔فرامین امیر شریعت کو شریعت اسلامیہ کے مطابق پاکراس پر عمل کریں گے۔اورامیر کو امیر سمجھ کر سمع وطاعت کا عملی ثبوت دیں گے۔بہت سے متخاصمین شرعی فیصلہ کی طلب میں قاضی شریعت کی طرف رجوع کریں گے اوراس کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے۔پس ان تمام صورتوں میں یہ کہنا درست ہوگا کہ بہار میں مسلمانوں کی ایک

جماعت ہے۔جس پر شرعی اصطلاح میں جماعت کا اطلاق صحیح ہوسکتا ہے اور بہار کی مسلمان قوم بلاامیر اور والی نہیں ہے اور مسلمانوں کے لیے فیصلہ شرعی حاصل کرکے غیراسلامی طریقہ سے نجات پانے کا ایک ذریعہ موجود ہے۔اوراس قلیل جماعت کی استقامت سے بڑی جماعت کے تحقق کی امید کی جاسکتی ہے۔اگرچہ یہ جماعت تقریباً ۳۷ لاکھ میں سے ایک لاکھ کی ہو یا پچاس ہزار کی ہو،مگر ایک جماعت کہنا اس کو صحیح ہوگا اور شرعاً بالکل درست ہوگا۔

بخلاف اس کے کہ اگر اس مرتبہ انتخاب نہ ہوا اور امارت قائم نہ کی جائے جیسا کہ دوسرے صوبوں میں ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہ مسلمانان بہار میں میں تقریباً ۳۷ لاکھ کا (۱۹۲۱ء میں بہار کی مسلم آبادی ۳۷ لاکھ تھی اور جب کہ اس وقت ۲۰۱۰ء میں بہار،اڑیسہ وجھارکھنڈ کی کل مسلم آبادی دوکروڑ سے زیادہ ہوچکی ہے) ایک انبوہ ہوگا۔جس پر جماعت کا اطلاق باصطلاح شرع صحیح نہیں ہوگا۔اور تمام قوم قوم فوضی (پریشان ومنتشر) کہی جائے گی۔اور جولوگ نظام شرعی چاہتے ہیں اور ٹھیک ٹھیک شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں اور حکومت کافرہ کے اجلاس میں مقدمہ لے جانے کے گناہ سے بچنا چاہتے ہیں ان کے بچنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی اوراس قسم کے ہزاروں فسادات کے سدباب کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔ایسی صورت میں ان بیچاروں کے معاصی کے ارتکاب کا الزام کس پر عائد ہوگا۔یقین مانئے کہ ارباب حل وعقد پر ہوگا۔

پس اب غور کرنا چاہئے کہ کیا عنداللہ یہ جواب صحیح ہوگا کہ چوں کہ مادی طاقت نہ تھی اور چوں کہ تمام صوبہ کا ہر ہر فرد احکام امیر کو نہ مانتا تھا اس لیے ہم نے امیر منتخب نہیں کیا۔حاشاوکلا۔ یہ جواب نہ شرعاً معتبر ہے اور نہ عقلاً۔

شرعاً تو اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جس قدر استطاعت میں ہے اس کا ترک معصیت ہے۔**الطاعة بقدر الاستطاعة.** عقلاً اس لیے صحیح نہیں ہے کہ **مالا یدرک کله لایترک کله** ایک بدیہی مسئلہ ہے۔

آخری عہد رسالت میں

امارت شرعیہ کی نظیر

علمائے کرام اور اعیان ملت! اگر چہ میں نے امارت کی بحث میں آپ کا بہت سا وقت لیا اور پھر بھی بعض پہلو پر بحث نہ کرسکا۔ مثلاً بیعت، نظام امارت شرعیہ، ارباب حل وعقد، طریق انتخاب وغیرہ کی بحث۔ مگر بہ سبب تنگی وقت ان کو چھوڑتا ہوں۔ لیکن عوام الناس بالخصوص موجودہ دور کے بعض تعلیم یافتہ ارباب ہر بات کی نظیر تلاش کرتے ہیں اور دلائل وبراہین سے زیادہ نظیر ومثال سے ان کی تسکین ہوتی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ امارت شرعیہ کی ایک نظیر بھی بیان کردوں جو غالباً حکمت الٰہیہ نے اس قسم کے لوگوں کی تسکین کے لیے اس کے تحقق کا موقع دیا تھا۔

حضرات! رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانہ میں ''یمامہ'' میں اسود عنسی نے دعوئے نبوت کیا اور بہت سے لوگ وہاں کے اس کے متبع ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ کے اکثر ولاۃ کو قتل کرڈالا۔ یہاں تک کہ وہاں علی الاعلان کوئی شخص اللہ کا نام لینے والا نہیں رہا۔ اذانیں بند ہوگئیں، کچھ تھوڑے سے مسلمان ایمان کو چھپا کر وہاں رہے اور بہت سے بھاگ آئے۔ آخر نہایت حکمت عملی سے چھپے ہوئے مسلمانوں نے اس کو رات کے وقت قتل کیا جس سے حکومت کافرہ میں ضعف پیدا ہوا اور قتل کی صبح کو ایک زمانہ کے بعد پہلا موقع حاصل ہوا کہ نماز کے لیے اذان دی گئی۔ مگر ابھی تک مسلمانوں کا تسلط نہیں ہوا تھا مگر علی الاعلان اسلام کے اظہار کا موقعہ ملا۔ پس وہاں کے موجودہ مسلمانوں نے بعد اظہار اسلام سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت معاذؓ کو امیر منتخب کیا۔ اس کے بعد پھر کافروں سے لڑے اور فتح یاب ہوئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ اس بشارت کو لے کر ایک قاصد بھیجا گیا۔ جب قاصد وہاں پہنچتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر سنتا ہے۔ آخر یہ بشارت خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر کو ملتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ بصراحت مذکور ہے۔ اس موقع پر ابن خلدون کا ایک جملہ میں نقل کرتا ہوں۔

فتنافسوا فی إمارة صنعاء فاتفقوا علی معاذ فصلی بهم الصلوٰة.

''یعنی صحابہ کرام نے امارت کی خواہش کی۔ آخر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر سب متفق ہوگئے اور پھر حضرت معاذؓ نے نماز پڑھائی۔''

کیوں کہ یہی دستور تھا کہ جو والی ہوتا تھا تو وہی نماز پڑھاتا تھا۔ پس صنعاء کی امارت جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ملی وہ محض قوم کے اتفاق کرنے سے ملی اور چوں کہ بہ سبب بعد مکانی اور تنگی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم حاصل کرنے کا موقع نہ تھا۔ بغیر حکم دربار رسالت کے حضرت معاذؓ امیر بنائے گئے اور وہ صوبہ کے امیر ہوئے۔ پس اگر آج خلیفہ نہیں ہے یا خلیفہ ہیں لیکن بہ سبب سیاسی مشکلات کے یہاں کے مسلمانوں کو وہ کوئی حکم نہیں دے سکتے ہیں تو ایسی صورت میں امارت کا قائم کرنا اسی سنت کا احیاء ہے۔ اگر چہ بعض حالات مختلف ہیں مگر باعتبار نفس مقصد اور مناط حکم کے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

علماء کرام اور اعیان ملت! میں نے آپ حضرات کا بہت سا وقت لیا اور بحث بہت طویل ہوگئی۔ اس لیے اب میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ آج آپ جس کام کے لیے جمع ہوئے ہیں اللہ پاک اس کو بخیر وخوبی انجام دے اور عام ارباب حل وعقد بالخصوص علماء کرام کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ مقصد اور کامیابی کی راہ پر نگاہ رکھتے ہوئے کسی ایسے شخص کو منتخب کریں جو اس اہم خدمت کا اہل ہو اور جس کے انتخاب سے تکمیل مقاصد کی امید ہو۔

اور اللہ تعالیٰ سے میں دعاء کرتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کے دلوں سے حسد، کینہ، بغض اور دیگر مفاسد کو دور کردے۔ تاکہ وہ سب مل کر شریعت اسلامیہ کی ڈوری اور حبل اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور امارت شرعیہ قائم کرتے رہیں اور اپنی طاقت سے دین کی حفاظت کریں اور جس قدر بے دین اسلام کو تباہ کررہے ہیں ان کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھیں۔

علمائے کرام واعیان ملت ودیگر حاضرین! میں نے آپ حضرات کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ جس کا عموماً دستور ہے۔ وہ اس لیے کہ میں رسماً شکریہ ادا نہیں کرنا چاہتا۔ ہمارے نزدیک آپ حضرات شکریہ کے اس وقت مستحق ہوں گے جب آپ حضرات اس اہم کام کو بخیر وخوبی انجام

دیں گے جس کے لیے آپ مجتمع ہوئے ہیں اور جس کے لیے یہ تمام تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جس اہم چیز کے سمجھانے میں میں نے آپ کا اتنا وقت لیا ہے۔

لہٰذا جب آپ اس فرض کی انجام دہی سے فارغ ہوجائیں گے اور پھر اس کے چلانے اور مضبوط کرنے میں منہمک ہوجائیں گے تو یقیناً آپ نہ صرف ہمارے شکریہ کے مستحق ہوں گے بلکہ تمام قوم آپ کی شکرگزار ہوگی اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول آپ سے خوش ہوگا۔

خاتمہ کلام میں اپنے خطبہ کو اس دعاء پر ختم کرتا ہوں۔

رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْ نَااِن نَّسِيْنَا اَوْاَخْطَأْنَا ، رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَه عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَامَالاَطَاقَةَ لَنَا بِهٖ واعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنتَ مولٰىنَا فَانْصُرْنَا علىَ الْقومِ الْكافِرِيْنَ.

مطبوعات امارت شرعیہ ایک نظر میں

فتاوی امارت شرعیہ جلد اول (حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ)	160روپے
فتاوی امارت شرعیہ جلد دوم (حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ)	200روپے
فتاوی امارت شرعیہ جلد سوم (مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)	150روپے
فتاوی امارت شرعیہ جلد چہارم (مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)	200روپے
آداب قضاء (مولانا عبدالصمد رحمانیؒ)	160روپے
قضایا امارت شرعیہ جلد اول (مولانا انظار عالم قاسمی)	250روپئے
اذان مجاہد (حضرت قاضی صاحبؒ کی تقریر کا مجموعہ (مولانا مفتی ثناء الہدی قاسمی)	100روپے
کتاب العشر والزکوۃ (مولانا عبدالصمد رحمانیؒ)	150روپے
حضرت امیر شریعتؒ رابع نمبر	150روپے
کتاب الفسخ والتفریق جدید ایڈیشن (مولانا عبدالصمد رحمانیؒ)	60 روپے
حیات وخدمات مولانا سجادؒ (مقالات کا مجموعہ)	200روپے
مدارس اسلامیہ اور دہشت گردی (ڈاکٹر عتیق الرحمٰن قاسمی)	20 روپے
گجرات رپورٹ (انگریزی) (خورشید انور عارفی)	100روپے
قضاء کے چند اہم مسائل	10 روپے
ہندستان اور نظام قضاء	10 روپے
مسلمان ایک امت ایک جماعت (حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ)	20 روپئے
قضایا سجاد (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	45 روپے
خطبہ صدارت (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	45 روپے
مقالات سجاد (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	45 روپے
حکومت الٰہی (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	35 روپے
مکاتب سجاد (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	25 روپے
امارت شبہات وجوابات (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	30 روپے
قانونی مسودے (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ)	25 روپے
ہندستان اور مسئلہ امارت (مولانا عبدالصمد رحمانیؒ)	40 روپے
تحفہ اطفال (دعا کی کتاب) مولانا محمد شمیم ارشادی	20 روپے
رسالہ زکوٰۃ (محمد اسلم جمالی)	10 روپے
ادائے زکوٰۃ کا اسلامی طریقہ (مولانا ابوالکلام آزادؒ)	5 روپے
ہمارے امیر (مولانا رضوان احمد ندوی)	30 روپے
طہارت کے احکام ومسائل (مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ)	130 روپے
اسلام اور طلاق (مفتی محمد نسیم احمد قاسمیؒ)	60 روپے
رہنمائے دارالقضاء (الحاج محمد شفیع مرحومؒ)	15 روپے
اتحاد امت اور امارت شرعیہ (مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی)	10 روپے

امارت شرعیہ کے مقاصد

۱-منہاج نبوت پر نظام شرعی کا قیام تا کہ مسلمانوں کے لیے صحیح شرعی زندگی حاصل ہو سکے۔

۲-اس نظام شرعی کے ذریعہ جس حد تک ممکن ہو اسلامی احکام کو بروئے کار لانا اور اس کے اجراء وتنفیذ کے مواقع پیدا کرنا۔مثلاً عبادات کے ساتھ مسلمانوں کے عائلی قوانین، نکاح، طلاق میراث، خلع، اوقاف وغیرہ احکام کو ان کی اصلی شرعی صورت میں قائم کرنا۔

۳-ایسی استطاعت پیدا کرنے کی مستقل جدوجہد جس کے ذریعہ قوانین خداوندی کو نافذ اور اسلام کے نظام عدل کو قائم وجاری کیا جا سکے۔

۴-امت مسلمہ کے جملہ اسلامی حقوق ومفادات کا تحفظ اور ان کی نگہداشت۔

۵-مسلمانوں کو بلا اختلاف مسلک محض کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر مجتمع کرنا تا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکام اور حضرت محمد ﷺ کی سنت پر عمل کریں اور اپنی اجتماعی قوت ''کلمۃ اللہ'' کو بلند کرنے پر خرچ کریں۔

۶-مسلمانوں کو تعلیم، معاش اور ترقی کے میدان میں اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی نظام تجارت کی روشنی میں رہنمائی دینا۔

۷-عام انسانی خدمت کے لیے رفاہی اور فلاحی ادارے قائم کرنا۔

۸-مسلمانوں کے حقوق، شریعت کے احکام اور اسلام کے وقار کو پوری طرح قائم اور محفوظ رکھتے ہوئے مقاصد شرع اسلام کی تکمیل کی خاطر اسلامی تعلیم کی روشنی میں ہندستان میں بسنے والے تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ صلح وآشتی کا برتاؤ کرنا، ملک میں امن پسند قوتوں کو فروغ دینا اور تعلیم اسلامی ''لاضرر ولاضرار فی الاسلام'' کی روشنی میں ملک کے مختلف مذہبی فرقوں میں ایک دوسرے کے حقوق کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا اور ہر ایسے طریق کار وتحریک کی ہمت شکنی کرنا جس کا مقصد ہندستان میں بسنے والے مختلف طبقات میں سے کسی ایک کی جان ومال، عزت وآبرو، تصورات ومعتقدات پر کسی دوسرے کی طرف سے حملہ ہو اور ایسی تمام تحریکات کو قوت پہونچانا جن کا مقصد ملک میں بسنے والی مختلف مذہبی اکائیوں کے درمیان ایک دوسرے کی جان ومال، عزت وآبرو کا احترام پیدا کرنا ہو اور فرقہ وارانہ تعصب ومنافرت کو دور کرنا ہو۔

مسلمان

ایک امت۔ایک جماعت

قطب العالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ

شائع کردہ

شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ